موسیقی
کی
شرعی حیثیت

مصنف:

امام ابو حامد غزالیؒ

ترجمہ و تہذیب:

سید نصیر شاہ ۔ رفیع اللہ

Institute of Islamic Culture
ادارہ ثقافت اسلامیہ
Lahore - Pakistan

موسیقی
کی شرعی
حیثیت

موسیقی کی شرعی حیثیت

مصنفہ :

امام ابو حامد غزالیؒ

ترجمہ وتہذیب :

سید نصیر شاہ۔ رفیع اللہ

ادارہ ثقافتِ اسلامیّہ

2۔ کلب روڈ، لاہور

فون: 042-36363127, 042-36305920 ای میل: iic-lhr@hotmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

عنوان:	موسیقی کی شرعی حیثیت
مصنف:	امام غزالیؒ
ترجمہ:	سید نصیر شاہ رفیع اللہ
ناشر:	قاضی جاوید ناظم، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور
اشاعت نو :	2018ء
مطبع:	حاجی حنیف اینڈ سنز، لاہور
تعداد:	500
قیمت:	300 روپے

PDF By: Ehsan Awan
Cell No.: 0345-8711418 , 0302-7642151

یہ کتاب اکادمی ادبیات پاکستان کے تعاون سے شائع کی گئی ہے۔

دیباچہ

موسیقی کے متعلق ہمارے معاشرہ میں عجیب غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ بعض لوگ تو اسے شجر ممنوعہ ہی سمجھتے ہیں اور ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو موسیقی کے نام سے عریانی، فحاشی اور بے حیائی کو فروغ دے رہا ہے۔ پہلا طبقہ اپنے آپ کو شریعت کا علمبردار کہتا ہے، اس لیے اس کے نظریات کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سمجھا جاتا ہے اور دوسرا طبقہ اپنے آپ کو آرٹ کا سرپرست کہتا ہے، اس لیے اس کے خیالات کو آرٹ کا ترجمان سمجھا جاتا ہے۔ ایسے حالات میں ضروری معلوم ہوا کہ موسیقی کی شرعی حیثیت کو واضح کیا جائے تاکہ افراط اور تفریط کے امتیازی خطوط واضح ہو جائیں اور لوگ صحیح رائے قائم کرسکیں۔ اس ضرورت کو امام غزالی نے پورا کردیا تھا، اس لئے ہم نے اپنی طرف سے کچھ لکھنا مناسب نہ سمجھا اور اسی مضمون کو اردو میں منتقل کردیا۔

بعض حواشی عراق کے مشہور فاضل علامہ زین ابوالفضل عبدالرحیم بن حسین سے نقل کیے گئے ہیں اور بعض ہم نے اپنی طرف سے لکھے ہیں۔ مقدمہ میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے، ان کے نام حاشیہ پر لکھے گئے ہیں۔ ہم ان تمام حضرات کے شکرگزار ہیں، جن کی کتابوں سے ہمیں مدد ملی ہے۔ خاص طور پر ہم مولانا شاہ محمد جعفر صاحب پھلواری ندوی کے شکرگزار ہیں، جن کی بے مثال تصنیف ''اسلام اور موسیقی'' سے ہم نے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ مذکورہ کتاب اپنے موضوع پر ایک بہت ہی سنجیدہ کوشش ہے، لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے اسے پڑھے

بغیر اس کے خلاف لکھنا اور بولنا شروع کر دیا۔

ہم آخر میں یہ بھی عرض کیے دیتے ہیں کہ ہم بھی فحاشی کے اس طوفان کے سخت مخالف ہیں جو ریڈیو سے سیلِ ترنم بن کر بہتا ہے یا فلمی ریکارڈوں سے موسیقی کے بہروپ میں ابھرتا ہے اور معاشرہ میں اخلاقی کوڑھ کے ملعون جراثیم بکھیرتا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اس سے فی نفسہ موسیقی حرام نہیں ہو جاتی ہے کیونکہ عریانی اور بے حیائی کی یہ ناپاک تعلیم بغیر گائے ہوئے دی جائے تب بھی حرام اور قابلِ نفرت ہے۔ اسے روکنے کے لیے علماء کو متحدہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نہیں کہ سرے سے موسیقی کو ہی حرام قرار دے کر ان تمام صحابہ و تابعین کی توہین کی جائے جنھوں نے سماع کو جائز سمجھا ہے۔

OOO

فہرستِ مشمولات

نمبر شمار	موضوعات	صفحات
۱	مقدمہ	۹
۲	موسیقی کی حرمت کے دلائل اور اُن کا تجزیہ	۱۰
۳	حرمتِ موسیقی پر کوئی روایت صحیح نہیں	۱۹
۴	موسیقی کے جواز کے دلائل	۲۵
۵	صحابۂ کرام اور سماع	۳۲
۶	تابعین اور سماع	۳۵
۷	تبع تابعین اور سماع	۳۷
۸	فقہاء اور موسیقی	۳۸
۹	موسیقی کا جواز	۴۰
۱۰	اختتامیہ	۴۴

۱۱	**پہلا باب** موسیقی کی حلت وحرمت پر علماء وصوفیا کے اقوال	۴۶
۱۲	موسیقی کی حلت وحرمت پر علماء وصوفیا کے اقوال	۴۶
۱۳	موسیقی کی حرمت کے قائل کون ہیں؟	۴۶
۱۴	موسیقی کی حلت کے قائل کون ہیں؟	۴۷
۱۵	موسیقی کی اباحت کے دلائل	۵۰
۱۶	موزون آواز	۵۳
۱۷	موزون وبامعنی کلام	۵۷
۱۸	موسیقی !۔۔۔۔محرکِ جذبات	۶۰
۱۹	حاجیوں کا گانا	۶۲
۲۰	غازیوں کا گانا	۶۲
۲۱	نوحۂ غم	۶۴
۲۲	نغمۂ شادی	۶۵
۲۳	موسیقی۔۔۔۔محرکِ شوق	۷۰
۲۴	عشاقِ حقیقی کی موسیقی	۷۱
۲۵	موسیقی کی حرمت کے عوارض	۷۷
۲۶	موسیقی کی حرمت کے دلائل اور ان کا تجزیہ	۸۵
۲۷	**دوسرا باب** موسیقی کے اثرات وآداب	۹۷
۲۹	فصلِ اوّل۔سننا اور سمجھنا	۹۷
۳۰	فصلِ دوم۔وجد	۱۰۷
۳۱	فصل سوم۔موسیقی کے آداب	۱۲۵

مقدمہ

اس وقت جو کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ حجۃ الاسلام امام غزالی کی معروف تصنیف ''احیاءعلوم الدین'' کے ایک باب وجد وسماع کا ترجمہ ہے۔امام صاحب کے نامِ نامی اور ان کی ذاتِ گرامی سے شاید ہی کوئی پڑھا لکھا آدمی ناواقف ہو۔امام غزالی پہلے متکلم ہیں جنھوں نے فلسفہ کے رد میں مستقل کتاب لکھی۔ان سے پیشتر فقہاء ومحدثین فلسفہ ومنطق سے نفرت کرتے تھے،اسی لیے ان لوگوں میں اتنی صلاحیت ہی نہ تھی کہ وہ یونانی فلسفہ کے اُس سیلاب کا مقابلہ کر سکتے، جو چاروں طرف سے امڈ امڈ کر آ رہا تھا اور حصارِ اسلام کی بنیادوں سے ٹکرا رہا تھا۔ضرورت اس امر کی تھی کہ اسی سیلاب میں اتر کر ہی اس کا رخ پھیرنے کی کوشش کی جاتی،مگر جو لوگ ''جوہر'' اور ''عرض'' کا نام سن کر ہی لاحول پڑھتے ہوئے کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے،وہ یونانی منطق کا مقابلہ کہاں کر سکتے تھے۔اس ضرورت کو معتزلہ نے پورا کیا اور ان کے بعد اشعریہ نے بھی اپنے طور پر کوشش کی۔آخر امام غزالی نے (جو ابتدا میں اشعریہ مذہب کے بہت بڑے حامی تھے) منطق کو سیکھنا فرضِ کفایہ[1] قرار دیا اور فلسفہ کا تجزیہ کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اس کے محض چند مسائل مذہب کے مطابق ہیں اور باقی تمام خلافِ اسلام ہیں۔یہ انہی کا تجویز کردہ نصابِ تعلیم تھا جس نے بالآخر امام رازی،شیخ الاشراق،علامہ آمدی اور شیخ عبدالکریم شہرستانی جیسی

عظیم القدر ہستیوں کو جنم دیا۔

زیرِ نظر کتاب میں انھوں نے موسیقی کی شرعی حیثیت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں، اس کا اندازہ آپ کتاب پڑھ کر ہی کر سکتے ہیں۔ ہم اس کے متعلق کچھ نہیں کہتے۔ ہم نے تو محض اس لیے قلم اٹھایا ہے کہ اس کتاب میں بعض مقامات جو مصنف رحمۃ اللہ نے اجمالاً بیان کیے ہیں، ان کی تفصیل ہو جائے۔ اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے ان احادیث کو لیں گے جنھیں حرمتِ موسیقی کے قائلین اپنی دلیل میں پیش کیا کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان روایات سے متعلق ائمہ وعلماء کے اقوال بھی نقل کرتے جائیں گے۔

موسیقی کی حرمت کے دلائل اور ان کا تجزیہ

عن عبدالرحمٰن بن غنم قال حدثنی ابو عامر اوابو مالك الاشعری سمع النبیؐ لیکونن من امتی قوم یستحلون الحرو الحریر والمعازف. اخرجه البخاری.وفی اللفظ یشر بن ناس من امتی الخمریسمونها بغیراسمها یعزف علی رؤوسهم بالمعازف والمغنیات یخسف الله بهم الارض ویجعل منهم القردة والخنازیر.دواه ابن ماجه.

عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت ہے کہ مجھے ابو عامر یا ابو مالک نے بتایا کہ نبی ﷺ نے کہا یقیناً میری اُمت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور باجوں کو حلال سمجھیں گے (یہ بخاری کی روایت ہے اور ایک روایت میں ہے) کہ میری اُمت کے لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام کچھ اور رکھ دیں گے۔ ان کے سامنے گایا بجایا جائے۔ اللہ............ اور انھیں بندر اور سور بنا دے گا۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

بخاری کی پوری روایت یوں ہے:

لیکونن فی امتی اقوام یستحلون الحرّ والحریروالخمروالمعازف وینزلن اقوام الی جنب علم تروح علیهم سارحة

میری اُمت میں کچھ لوگ ایسے ہو کر رہیں گے جو زنا، ریشم، شراب اور باجوں کو حلال سمجھیں گے۔ کچھ لوگ ایک پہاڑ کے دامن میں اتریں گے جہاں

لهم فياتيهم رجل لحاجة فيقولون	مویشی چر کر شام کو آئیں گے۔ان کے پاس ایک آدمی
ارجع الينا غدا فيتهيم الله ويضع	اپنی کسی ضرورت کے لیے آئے گا۔وہ اسے کہیں
العلم يمسخ اٰخرين قردة و	گے آج چلا جا کل ہمارے پاس آنا۔پھر اللہ تعالیٰ
خنازير الىٰ يوم القيامة	انہیں شب کو سلا دے گا اور پہاڑ کو وہاں سے ہٹا
....	دے گا اور دوسروں کو مسخ کر کے قیامت تک
.. ..	کے لیے سؤر اور بندر بنا دے گا۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کی اسناد میں ایک راوی صدقہ بن خالد ہے۔ابن جنید نے اس کے متعلق یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے کہ "وہ کوئی چیز نہیں۔" مزی نے احمد کا یہ قول نقل کیا کہ "وہ صحیح روایت نہیں کرتا"۔دوسرے یہ روایت سند اور متن کے اعتبار سے مضطرب ہے۔سند کا اضطراب یہ ہے کہ راوی کو صحابی کا نام یاد نہیں۔اسے شک ہے کہ یہ روایت ابو عامر سے ہے یا ابو مالک اشعری سے اور متن کا اضطراب یہ ہے کہ کہیں "یستحلون" کے الفاظ ہیں اور کہیں کچھ (۲) اور۔ان چیزوں سے قطع نظر ذرا روایت کے اگلے حصہ پر بھی غور کیجئے،جس میں کہا گیا ہے کہ "ایک قوم پہاڑ کے دامن میں آئے گی۔ان کے مویشی چر کر واپس آئیں گے۔ایک آدمی ان کے پاس کوئی حاجت لے کر آئے گا۔وہ کہیں گے کل آنا۔پھر وہ سو جائیں گے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے گا اور دوسرے قیامت تک کے لیے سؤر اور بندر بنا دیے جائیں گے۔"

اگر فی الواقع موسیقی اس حد تک حرام تھی تو اس کے بعد کے تمام واقعات کو پورا ہونا چاہیے تھا،مگر وہ کون سا پہاڑ ہے جو اپنی جگہ سے ٹل گیا اور وہ کون سے لوگ تھے جو سؤر اور بندر بن گئے۔اگر ان کی تاویلیں کی جائیں تو موسیقی کی حرمت کی تاویل بھی کی جا سکتی ہے۔نہیں تو روایت بالبداہت غلط تسلیم کی جانی چاہیے۔

اگر اس روایت کو بالکل صحیح تسلیم کر لیا جائے تب بھی موسیقی کی حرمت لازم نہیں آتی،کیونکہ موسیقی کے ساتھ شراب کا ذکر آتا ہے۔پس موسیقی فی نفسہٖ حرام نہ ہوگی،بلکہ اس کی

حرمت شراب کی حرمت کے تابع ہوگی۔ جس طرح ہم کہتے ہیں "فلاں آدمی شراب و کباب میں زندگی تباہ کررہا ہے۔" اس فقرہ میں شراب کی برائی تو عیاں ہے لیکن کباب بذاتِ خود کوئی حرام چیز نہیں۔ ہاں جب اس کا ذکر شراب کے ساتھ آتا ہے تو اسے برا سمجھا جاتا ہے۔ علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

يحتمل ان تكون المعازف المنصوص عليه تحريمها هي المقترنة بشرب الخمر كما ثبت برواية في لفظ "يشرب ناس من امتي الخمر تروح عليهم القيان وتغد وعليهم المعازف.(۳)	ہوسکتا ہے کہ جن باجوں کو حرام کیا گیا وہ وہی باجے ہوں جو شراب نوشی کے ساتھ پیوستہ ہیں۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے۔ شام کو ان کے پاس گانے والی لونڈیاں آئیں گی اور دن کو باجے بجیں گے۔

نواب صدیق حسن خاں بھی یہی کہتے ہیں:

"اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ نبی ﷺ دف بجانے پر خاموش رہے۔ خود اسے سنا اور منع نہ فرمایا، جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ پس حدیث زیر بحث میں اس امر کا احتمال موجود ہے کہ جن باجوں کو حرام کیا گیا ہے، یہ وہی باجے ہوں جو شراب نوشی سے پیوستہ ہیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے:

يشربن من امتي الخمر تروح عليه القيان و تغد و عليهم المعازف	میری امت میں کچھ لوگ شراب پئیں گے۔ شام کو ان کے پاس گانے والے غلام لونڈیاں آئیں گے اور دن کو باجے بجیں گے۔"

اس روایت میں اس کا احتمال بھی موجود ہے کہ اس سے مراد مجموعہ پر حکم لگانا ہو۔ پس جو حکم مجموعہ پر ہوگا وہ الگ الگ ہر چیز پر نہیں ہوسکتا۔ یہ تو مسلمہ اصول ہے کہ چند ترتیب وار بیان کردہ چیزوں کو مجموعی وعید اس مجموعہ کی کسی ایک چیز کی وعید کی دلیل نہیں ہوگی۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت

قرآن کی یہ آیات ہیں:

خذوہ فغلّوہ ثم الجحیم صلّوہ ہ ثمّ	اسے پکڑ کر گلے میں طوق ڈالو، پھر اسے جہنم میں
فی سلسلۃٍ ذرعھا سبعون ذراً عا فاسلکم	لے جاؤ پھر، ستر گز کے حلقہ والی زنجیر میں اسے جکڑ دو۔
انہ کان لایومن باللّٰہ العظیم ہ ولا یُحضّ	یہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا اور مسکین کو کھلانے
علیٰ طَعاَامِ المِسکِین	پر کسی کو ترغیب نہیں دیتا تھا۔

یہاں بلاشبہ اس وعید شدید کا سبب محض "مسکین کو کھلانے پر ترغیب نہ دینا" نہیں ہے اور نہ مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہ دینا کوئی حرام فعل ہے۔" (۴)

اصل یہ ہے کہ اس روایت میں دو حرام چیزوں یعنی زنا اور شراب کا ذکر ہے اور دو ایسی چیزوں کا جو بعض مواقع پر حلال اور بعض مواقع پر حرام ہیں۔ یعنی ریشم اور باجے۔ ریشم کے متعلق ایک روایت نقل کر کے داؤدی لکھتے ہیں:

لیس بمحفوظ لان کثیراً من	یہ روایت محفوظ نہیں کیونکہ بہت سے
الصحابۃ بسوہٗ(۵)	صحابہ ریشم پہنتے تھے۔

اس کے بعد علامہ شوکانی نے ابن العربی کا قول نقل کیا ہے کہ

فالا قویٰ حلہ ولیس فیہ وعید ولا	(ریشم) کی حلت کا قول قوی ہے اور اسے پہننے
عقوبۃ بالاجماع (۶)	میں نہ وعید ہے نہ سزا۔ اسی پر اجماع ہے۔

بعض حالات میں ریشم پہننے کی رخصت تو عام طور پر ثابت ہے:

رخص رسول اللّٰہ صلعم للتر	نبی ﷺ نے زبیر اور عبدالرحمٰن عوف
بیر وعبدالرحمان	کو ریشم پہننے
بن عوف فی لبس الحریر	کی اجازت دی تھی کیونکہ ان دونوں کو
لحکۃ بھما(۷)	خارش تھی۔

تھوڑے سے ریشم کے لیے تو عام اجازت ہے:

نهى النبى صلعم عن ليس الحرير الا فى موضع اصبعين اوثلث اواربع	نبی ﷺ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا البتہ دو سے چار انگل تک ریشم کا استعمال جائز ہے۔

اب ایک اور روایت کو لیجئے جسے حرمت کے قائلین اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں:

عن عبدالله بن عمر ان النبى صلعم قال ان الله حرم الخمر والميسر والكوبة والغبيراء وكل مسكرحرام رواه احمد وابوداؤد وفى لفظ: ان الله حرم علىٰ امتى الخمر والميسر والمزد والكوبة والقين (رواه احمد)	عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ نے شراب، جوا، طبل اور طنبورہ حرام ٹھہرایا ہے اور تمام نشہ والی چیزیں حرام ہیں۔ اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ نے میری امت پر شراب، جوا، جو کی نبیذ، روم کے جواریوں کی بساط یا حبشیوں کا طنبور اور طبل حرام کیا۔ اسے احمد نے روایت کیا۔

اس روایت کا بھی چند طریقوں سے جواب دیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے اس کی اسناد کے نیچے علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

سكته عنه الحافظ فى التلخيص وفى اسناده الوليد بن عبدة الراوى له عن بن عمرو.قال ابو حاتم الرازى هو مجهول وقال المنذرى ان الحديث معلول(۸)۔	حافظ نے تلخیص میں اس روایت کے متعلق سکوت اختیار کیا اور اس کی اسناد میں الولید بن عبدہ ایک راوی ہے جو ابن عمر سے روایت کرتا ہے۔ ابو حاتم الرازی نے کہا کہ وہ مجہول الحال ہے۔ منذری نے کہا یہ حدیث معلول ہے۔

اس روایت کو اگر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ لازم نہیں آتا کہ موسیقی بذات خود حرام ہے کیونکہ یہاں بھی پچھلی روایات کی طرح موسیقی کو شراب وغیرہ جیسی حرام چیزوں کے مجموعہ میں شامل کیا گیا ہے۔ پس اس کا حکم موسیقی پر مرتب نہ ہوگا، کیونکہ مباح اگر حرام کی تمہید بن جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔

بعض حضرات نے غناومزا کی حرمت میں اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے:

قال صلعم ان اللّٰہ عزوجل بَعَثَنِیَ رحمة و هدی للعلمین وامرنی ان امحق المزا میروالکفارات یعنی البرابط والمعازف والاوثان التی کانت تعبدفی الجاهلیة۔(۹)	نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے سارے عالم کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں سازوں اور کفاروں یعنی بربطوں اور باجوں اور جاہلیت میں پوجے جانے والے بتوں کو توڑ دوں۔

یہ روایت مشکوٰۃ میں بھی ہے اور ادنیٰ سے لفظی اختلاف کے ساتھ یہی روایت ابوداؤد طیالسی نے بھی نقل کی ہے۔ روایت میں ایک شخص علی بن یزید ہے۔ ابن حجر نے اسے ضعیف کہا ہے(۱۰) ''تہذیب التہذیب'' میں ہے کہ

قال حرب عن احمد هودمشقی کاته ضعفه (۱۱)	حرب نے کہا ''وہ دمشقی ہی تو ہے'' اور انہوں نے اس انداز سے یہ فقرہ کہا جیسے وہ اسے ضعیف بتا رہے ہوں۔

اسی کتاب میں ایک اور قول بھی ہے:

قال یحیی بن معین علی بن یزید واهی الحدیث کثیر المنکرات(۱۲)	یحییٰ بن معین نے کہا ''علی بن یزید کی حدیث ناقابل اعتبار ہے وہ اکثر منکر حدیثیں بیان کرتا ہے۔

امام بخاری کا قول بھی سن لیجئے:

قال البخاری منکر الحدیث ضعیف	امام بخاری نے کہا وہ منکر الحدیث اور ضعیف ہے(۱۳)

امام ترمذی کا قول بھی نقل کیا گیا ہے:

قال الترمذی ضعیف فی الحدیث(۱۴)	ترمذی نے کہا وہ حدیث میں ضعیف ہے۔

امام نسائی نے کہا

لیس بثقة	وہ ثقہ نہیں ہے۔

ابن حجر کہتے ہیں ''یہ روایت ضعیف ہے''(۱۵)

یہ تو تھا علی بن یزید کا حال۔اب اس روایت کے ایک اور راوی فرج بن فضالہ کی حالت سنئے:

قال بن خثیمه عن ابن معین ابن ضعیف الحدیث(۱۶)

ابی خثیمہ نے ابن معین کا قول بیان کیا کہ وہ اسے ضعیف الحدیث کہتے ہیں۔

قال البخاری و مسلم منکر الحدیث

بخاری و مسلم نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔

نسائی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔

خود ہی سوچیے کہ جس روایت میں ایک نہیں بلکہ دو راوی ضعیف ہوں، اسے دلیل بنا کر موسیقی کی حرمت کا فتویٰ دینا کس حد تک درست ہے۔اور آگے بڑھیے۔اس روایت کا ایک راوی عبیداللہ بن زحر ہے، جو علی بن یزید سے روایت کرتا ہے۔اس کی حالت یہ ہے کہ:

قَال ابو مسهر انه صاحب کل معضلة وقال بن معین ضعیف(۱۷) وقال مرة لیس بشی وقال ابن المدینی منکر الحدیث وقال الدارقطنی لیس بالقوی وقال بن حیان روی موضوعات عن الاثبات واذاروی عن علی بن یزید اتی بالطامات(۱۸)

ابومسہر نے کہا کہ کہ اس کی تمام روایتیں معضل ہوتی ہیں۔ابن معین نے کہا وہ ضعیف ہے اور ایک مرتبہ کہا کہ وہ کوئی چیز نہیں۔ابن المدینی اسے منکر الحدیث کہتے ہیں۔دار قطنی نے کہا وہ قوی نہیں اور ابن حبان نے کہا کہ وہ ثقہ آدمیوں کا نام لے کر موضوع حدیثیں روایت کرتا تھا اور جب وہ علی بن یزید سے روایت کرتا تھا تو وہ اور زیادہ موضوع ہوتی تھیں۔

یہ روایت بھی دلیل میں پیش کی جاتی ہے:

العنا ینبت النفاق فی القلب

گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔

بعض نے اسے رسولؐ خدا تک مرفوع کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ عبداللہ بن مسعودؓ کا

قول ہے۔

''احیاء علوم الدین'' کے مشہور شارح سید مرتضیٰ زبیدی اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں نے اس روایت کو نبی ﷺ کا قول قرار دیا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ ابوداؤد نے جس سند سے یہ روایت بیان کی ہے اس میں ایک شخص ایسا بھی ہے جس کا نام تک نہیں لیا گیا۔ بیہقی نے اسے مرفوعاً اور موقوفاً روایت کیا ہے یعنی ایک روایت میں اسے رسول ﷺ کا قول بتایا ہے اور دوسری روایت میں صحابی کا۔ میں کہتا ہوں کہ اسے مختلف طریقوں سے مرفوعاً روایت کیا گیا ہے لیکن یہ تمام طریقے ضعیف ہیں۔ بیہقی کہتے ہیں کہ یہ ابن مسعود کا قول ہے۔ نبی ﷺ کا قول نہیں۔ نیز اس کے طرق میں بعض رواۃ مجہول الحال ہیں۔ امام نووی کہتے ہیں کہ اس کے ضعف پر اتفاق ہے۔ زرکشی کا بھی یہی خیال ہے۔ ابن طاہر کہتے ہیں کہ اسے ثقہ لوگوں (شعبہ عن مغیرہ عن ابراہیم) نے روایت کیا ہے اور ابراہیم سے آگے کسی کا نام نہیں لیا۔ لہٰذا یہ ابراہیم کا قول ہے۔ ابن ابی الدنیا ملاہی کی مذمت کے سلسلہ میں اسی روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ ابراہیم کا قول نہیں بلکہ بات یوں ہے کہ ابراہیم کہتے تھے کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ''گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔'' میں کہتا ہوں یہ نہ تو ابراہیم کا قول ہے اور نہ کسی ایسے آدمی کا جس سے ابن ابی الدنیا نے مرفوعاً روایت کیا ہو۔ ابن عدی اور دیلمی نے ابوہریرہ سے اور بیہقی نے جابر سے یہ مضمون یوں روایت کیا ہے کہ گانا قلب میں اسی طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی پیدا کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ روایت بھی ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی علی بن حماد ہے جسے دارقطنی نے متروک قرار دیا ہے۔ دوسرا راوی ابن ابی روا ہے جسے ابوحاتم نے منکر الحدیث کہا ہے۔ ابن جنید کہتے ہیں کہ ''ابن ابی روا تو ایک ٹکے کا بھی نہیں اور ابراہیم بن طہمانی مختلف فیہ ہے۔''(۱۹)

ابوطالب مکی بھی اسے ابراہیم کا قول قرار دیتے ہیں:

ان حماد دوی عن ابراهیم الغنا حماد نے ابراہیم کی زبانی بیان کیا کہ گانا دل میں

ينبت النفاق فی القلب(٢٠) نفاق پیدا کرتا ہے۔

ابن طاہر کہتے ہیں:

اصح الاسانيد فی ذالك انه من قول ابراهيم(٢١) صحیح ترین سند سے جو بات ثابت ہے وہ یہی ہے کہ یہ ابراہیم کا قول ہے۔

امام سخاوی فرماتے ہیں:

لا يصح كماقاله النووی(٢٢) نووی کے قول کے مطابق یہ روایت صحیح نہیں۔

قائلین حرمت ترمذی کی اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

فانه عليه السلام نهیٰ عن الصوتين الاحمقين النائحه المغنية نبی ﷺ نے دو احمق آوازوں سے منع فرمایا ہے ایک نوحہ کرنے والی دوسری گانے والی۔

صاحب ''ہدایہ'' نے کتاب الشہادۃ، کتاب الاجارہ، کتاب الضمان والغصب اور کتاب الکراہیہ میں موسیقی کی حرمت کا تذکرہ کیا ہے، لیکن کسی جگہ کوئی صحیح یا حسن حدیث ثبوت میں پیش نہیں کی۔ صرف کتاب الشہادۃ میں ترمذی کی مذکورہ بالا حدیث نقل کی ہے۔ اس حدیث کے متعلق محدثین کا فیصلہ سنیے:

قال النووی فی الخصلاصة ومحمد بن عبدالرحمن بن ابی ليلیٰ ضعيف ولعله اعتضد(٢٣) امام نووی نے خلاصہ میں کہا کہ اس کا راوی محمد بن عبدالرحمٰن ابی لیلیٰ ضعیف ہے۔ ممکن ہے کوئی دوسری روایت اس کی معاضد نہ ہو۔

سید مرتضیٰ زبیدی کہتے ہیں ''اسی طرح کی دوسری روایات میں بھی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ موجود ہے جو فقیہ و قاضی ہونے کے باوجود روایت حدیث میں ضعیف ہے''۔(٢٤)

مشہور محدث کمال الدین اوفوی کہتے ہیں:

ان محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ليلیٰ قد انكرعليه هذا الحديث محمد عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی اس حدیث کا انکار کیا گیا ہے اور اسے ضعیف کہا گیا ہے۔ ابن

وضعف لاجله وقال ابن حبان انه كان ردئ الحفظ كثير الوهم فاحش الخطاء استحق التراء لو ترك احمد وقال انه سئی الحفظ مضطرب الحدیث(۲۵)	حبان کہتے ہیں۔اس کا حافظہ بہت ردی تھا۔وہم بہت ہوتا تھا۔فاحش غلطیاں کرتا تھا۔وہ اس کا مستحق ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے اسی لیے احمد بن حنبل نے انھیں ترک کیا اور کہا کہ اس کا حافظ نا قابلِ اعتبار ہے اور اس کی حدیثیں مضطرب ہوتی ہیں۔

حرمتِ موسیقی پر کوئی روایت صحیح نہیں

طوالت کے خوف سے ہم باقی تمام روایات کو نظر انداز کرتے ہیں اور ان کے متعلق محدثین وفضلاء کے اقوال نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

وقد وضع جماعة من اهل العلم فی ذالك مصنفات ولكنه ضعفها جميعا بعض اهل العلم حتى قال ابن خرم انه لا يصح فی الباب حديث ابد اوكل مافيه فموضوع(۲۶)	اہل علم کی ایک جماعت نے حرمتِ سماع پر تصانیف کی ہیں لیکن دوسرے اہل علم نے ان کی تضعیف کی ہے۔حتیٰ کہ ابن حزم کہتے ہیں کہ حرمتِ سماع کے متعلق ایک حدیث بھی صحیح نہیں۔اس بارے میں جو کچھ بھی ہے وہ سب موضوع ہے۔

علامہ شوکانی کی ایک اور کتاب ''ابطال دعوی الاجماع فی تحریم مطلق السماع'' ہے۔کتاب کے نام سے ہی اس کا مضمون ظاہر ہے۔اسی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''سماع ومزامیر کی حرمت کے متعلق بہت سی روایات ہیں،جن کو بعض علماء مثلاً ابن دم،ابن طاہر، ابن ابی الدنیا،ابن حمدان ازبلی اور ذہبی وغیرہم نے اپنی کتابوں میں یکجا کیا ہے۔ان میں زیادہ تر روایات وہ ہیں جو آلاتِ لہو کی ممانعت سے متعلق ہیں۔ان تمام احادیث کا جواب ان علماء نے دیا ہے جو غناء کو جائز کہتے ہیں۔چنانچہ کمال الدین افوی اپنی کتاب ''الامتاع'' میں کہتے ہیں کہ ظاہریہ،مالکیہ،حنابلہ،شافعیہ ہر ایک میں سے ایک جماعت نے ان تمام احادیث کو ضعیف قرار دیا

ہے، جو حرمتِ غناء کے بارے وارد ہوئی ہیں۔ ان روایات کو ائمہ اربعہ داؤد ظاہری اور سفیان ثوری میں سے کسی نے حجت تسلیم نہیں کیا، حالانکہ یہ لوگ مجتہدین کے سرخیل ہیں اور ان کے مذاہب کے بے شمار پیرو موجود ہیں۔ ابو بکر بن العربی نے بھی اپنی کتاب ''احکام الاحادیث'' میں ان روایات کا ذکر کر کے انہیں ضعیف قرار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ غنا اور مزامیر کی حرمت کے متعلق جس قدر روایات ہیں، ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں۔ ابن طاہر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ان روایات کا ایک لفظ بھی صحیح نہیں۔ علاؤالدین قونوی اپنی ''شرح تعرف'' میں ابن حزم کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی حدیث بھی صحیح نہیں۔ اگر کوئی حدیث صحیح ہوتی تو ہم سب سے پہلے اسی کو مانتے لیکن حالت یہ ہے کہ اس بارے میں جتنی روایات موجود ہیں، وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ پھر ابن حزم نے اس بات پر قسم بھی کھائی۔'' (۲۷)

نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:

''مغرب کے مفتی علامہ ابوالقاسم عیسیٰ بن ناجی سنوخی مالکی رسالہ ''ابوزید'' کی شرح میں علامہ فاکیانی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ''مجھے گانے بجانے کی حرمت کے متعلق نہ تو قرآن میں کوئی نص ملی نہ سنتِ رسول ﷺ میں کوئی صحیح وصریح اور قطعی حدیث نظر آئی۔'' (۲۸)

اسی طرح سید جمال الدین محدث حنفی، فخر الدین رازی حنفی اور غلام مصطفی تھانیسری حنفی نے غناء اور مزامیر کے جواز پر مستقل رسالے لکھے ہیں اور حرمتِ موسیقی کی تمام روایات کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔ (۲۹) علامہ جمال الدین لکھتے ہیں:

''چند احادیث ایسی ہیں جن سے فقہاء سماع کی حرمت کی دلیل لاتے ہیں مثلاً استماع الملاهی حرام و الجلوس علیها فسق والتلذو بها کفر ۔ موسیقی سننا حرام ہے (اس کی مجلس میں بیٹھنا فسق ہے۔ اور اس سے لطف لینا کفر ہے) یاما من رجل یسمع الملاهی الابعث علیٰ منکبیه شیطانین۔) بضربان باعقا بهما علیٰ صدره حتی یمسك (جو آدمی بھی موسیقی سنتا ہے، اللہ اس کے دونوں کندھوں پر شیطان بٹھا دیتا ہے جو اپنی ایڑیاں اس

کے سینے پر مارتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ خاموش نہ ہو جائے)وغیرہ۔تو ان کے متعلق امام نووی لکھتے ہیں کہ ''حرمتِ غنا کے متعلق ایسی کوئی روایت بھی صحیح نہیں''۔امام سخاوی نے بھی ''مقاصدِ حسنہ'' میں ان احادیث کے متعلق جو زبان زدعوام ہیں، فرماتے ہیں کہ ''بعض فقہاء نے حرمتِ غناء کی جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں، بلکہ ان کی کوئی اصل نہیں۔'' ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں'' حرمتِ غناء کے متعلق جن روایات سے بعض متاخرین نے استدلال کیا ہے وہ ثابت نہیں۔ اوران کی کوئی اصلیت نہیں کیونکہ اگر ایسی کوئی حدیث بھی صحیح ہوتی تو مجتہدین کرام بھی اس کو دلیل قرار دیتے۔ صحیح، حسن تو کیا ضعیف حدیثیں بھی ایسی نہیں جن سے غناء کی حرمت ثابت ہو۔ جن حدیثوں سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں وہ ثابت نہیں۔ وہ سب موضوع ہیں۔ جن سے احکام میں دلیل نہیں لائی جاسکتی۔ ایسی حدیثوں کو نہ ابوحنیفہؒ نے لیا نہ شافعیؒ نے نہ مالکؒ نے قبول کیا نہ احمد بن حنبلؒ نے۔ بلکہ جن دوسرے مذاہب فقہ کی پیروی ہوتی ہے ان کے ائمہ نے بھی ایسی روایات سے تمسک نہیں کیا۔ ایسی حدیثیں صرف ان لوگوں کے ہاں پائی جاتی ہیں جو ائمہ مذاہب سے بہت بعد کے ہیں۔ بلکہ ان کے پیروؤں کے بھی پیرو ہیں اوران پر احادیث کی صحت وسقم پرکھ سکنے کے بارے میں کوئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ابوبکر بن العربی ایسی تمام روایات کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ حرمتِ غناء کے متعلق کوئی روایت صحیح نہیں۔ جن احادیث سے فقہاء تمسک کرتے ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ ابن طاہر بھی یہی فرماتے ہیں بلکہ بعض شافعیہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حرمتِ غنا کی روایات صرف منکرین کی کتابوں میں ملتی ہیں۔''(۳۰)

امام شعرانی فرماتے ہیں: ''سماع کے بارے میں علماء کی آراء مختلف فیہ ہیں۔ ان میں سے بعض تحریم کے قائم ہیں، لیکن محققین اس تحریم کو اس بات پر محمول کرتے ہیں، جب اس کے سننے سے حماقت، نفاق وغیرہ بیماریاں پیدا ہوں۔ امام ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی مقدسی محدث نے اس مسئلہ پر ایک کتاب لکھی ہے(۳۱) اور ان لوگوں کے دلائل کی تردید کی ہے جو اسے حرام ٹھہراتے ہیں۔ بلکہ اس حدیث پر بھی جرح کی ہے، جس سے حرمت مزامیر وغناء کا وہم پیدا ہوسکتا

ہے اور اس سلسلہ میں ان محدثین کا ذکر بھی کیا ہے جنھوں نے حرمت کے قائل لوگوں پر جرح کی ہے۔(۳۲) پھر صحیح احادیث سے گانے، بانسری، دف اور ستار وغیرہ کا جواز ثابت کیا ہے بلکہ دف کو تو سنت بتایا ہے۔" (۳۳)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"محدثین تو کہتے ہیں حرمتِ غناء کے متعلق ایک حدیث بھی صحیح نہیں اور مشائخ کہتے ہیں، جہاں اس کی ممانعت آئی بھی ہے تو وہ وہی غنا ہے جو لہو ولعب سے وابستہ ہو۔ فقہاء نے اس مسئلہ میں بڑے تشدد سے کام لیا ہے۔" (۳۴)

پھر "مدارج النبوت" میں فرماتے ہیں:

"ایک مسلک تو فقہاء کا ہے جو غناء و مزامیر کے سخت منکر ہیں اور اس معاملہ میں تعصب اور عناد کا انداز اختیار کرتے ہیں بلکہ اس فعل کو گناہِ کبیرہ اور اس کے جواز کے عقیدہ کو کفر، زندقہ اور الحاد سمجھتے ہیں۔ فقہاء کا یہ طرزِ عمل زیادتی ہے اور اعتدال و انصاف کے مسلک سے باہر ہے۔ دوسرا مسلک محدثین کا ہے جو کہتے ہیں کہ تحریم غنا کے متعلق کوئی صحیح حدیث یا نصِ صریح موجود نہیں اور جو کچھ ہے تو وہ یا موضوع ہے یا ضعیف۔" (۳۵)

شیخ صاحب نے مسئلہ سماع پر بھی ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں:

"ایسی تمام روایات وآثار سے مراد اسی غناء کی حرمت ہے جس کا گانا یا سننا لہو ولعب کے طریقہ پر ہو اور غلط طریقہ پر انسان کو نفسانیت اور خواہش حرام کی طرف لے جائے۔ دونوں طرف کے دلائل کا احترام کرتے ہوئے یہی تطبیق ہو سکتی ہے۔ ویسے محدثین کو ان احادیث کی صحت میں بھی کلام ہے۔ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں اور اس باب میں ان کا یہی قول معتبر ہے۔" (۳۶)

OOO

حواشی

(۱) امام صاحب کے نظریہ سے استفادہ کرتے ہوئے ہمارے زمانہ میں مغربی فلسفہ کی تحصیل فرضِ کفایہ ہونی چاہیے تھی، مگر ہمارے علماء منطق کی اسی کیڑے کھائی لاش کو ابھی تک سینوں سے چمٹائے پھرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ روز بروز مذہب سے دور ہوتا جا رہا ہے۔

(۲) نیل الاوطار جلد ۸۔ ''باب، ماجاء فی آلۃ اللھو'' ص ۹۶

(۳) نیل الاوطار، ج ۸، ص ۱۰۲

(۴) نیل الاوحار، ج ۸، ص ۱۰۳

(۵) دلیل الطالب علی ارجح المطالب

(٦) نیل الاوطار، ج ۸، ص ۹۷

(۷) ایضاً

(۸) رواہ الستۃ

(۹) رواہ الستۃ

(۱۰) نیل الاوطار، ج ۸، ص ۹۷

(۱۱) مسند احمد

(۱۲) تہذیب التہذیب

(۱۳) ایضاً

(۱۴) ایضاً

(۱۴) ایضاً

(۱۵) ایضاً

(۱٦) ایضاً

(۱۷) کف الرعاع

(۱۸) تہذیب التہذیب

(۱۹) ایضاً

(۲۰) نیل الاوطار، ج ۸، ص ۹۹، ۱۰۰

(۲۱) شرح احیاء علوم الدین، ج ٦، ص ۴٦٦

(۲۲) قوت القلوب، ص ٦۲

(۲۳) تلخیص الجیر، ص ۸، ۴

(۲۴) مقاصد حسنہ، ص ۱۳۹

(۲۵) نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ للزیعی المحدث الحنفی، ص ۲۱۱

(۲۶) تحفۃ المحبین، سید مرتضیٰ زبیدی حنفی

(۲۷) امتاع، ص ۲۸ حدیث خامس

(۲۸) نیل الاوطار ج ۸، ص ۱۰۰

(۲۹) ابطال دعوی الاجماع فی تحریم مطلق السماع، ص ۴۰، ۴۱

(۳۰) دلیل الطالب علی ارجح الطالب

(۳۱) ان کے علاوہ سید مرتضیٰ زبیدی حنفی شارح ''احیاء علوم الدین'' مولانا نور اللہ پھرانوی صاحب ''نغمۂ عشاق'' اور مولانا قاضی عبدالرحیم حنفی گجراتی شارح ''خطبہء قاموس'' بھی حرمتِ موسیقی کی تمام روایات کو ضعیف اور ناقابل حجت قرار دیتے ہیں (بحوالہ اسلام اور موسیقی، مصنفہ مولانا جعفر شاہ صاحب ندوی)۔

(۳۲) رسالہ جواز سماع مصنفہ سید جمال الدین محدث حنفی تلمیذ امام جزری صاحب ''روضۃ الاحباب'' بحوالہ اسلام اور موسیقی مصنفہ مولانا جعفر شاہ صاحب ندوی۔

(۳۳) لطائف، ج ۲ ص ۱۰۶

(۳۴) اشعۃ اللمعات، ج ۴ ص ۶۹

(۳۵) مدارج النبوۃ۔ ج ۲۴۵

(۳۶) ''رسالہ قرع الاسماع فی بیان احوال القوم واقوالہم فی السماع''

OOO

جوازِ موسیقی کے دلائل

قائلینِ حرمت کے دلائل کی تردید کے بعد ہم ان روایات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جن سے موسیقی کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔

موسیقی کے جواز میں یہ روایات بہت واضح اور مستند ہیں اور ان کو علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے بھی شرح ''احیاء علوم الدین'' میں نقل کیا ہے:

جاء النبی صلعم فدخل حین بنی علی فجلس علیٰ فراشی کمجلسل منی فجعلت جویریات لنایضربن بالدف ویندبن من قتل من آبائی اذقالت احد اھن "وفینا بنی یعلم مافی غد" فقال صلعم دعی ھذا وقولی التی کُنت تقولین۔''(۱)	ربیع بنت معوذ کہتی ہیں جب میری رخصتی ہوئی تو نبی ﷺ تشریف لائے اور اس طرح بیٹھے جس طرح تم میرے سامنے بیٹھے ہو۔ اتنے میں ہماری کچھ باندیوں نے دف پر گا گا کر میرے مقتول آباؤ اجداد کا ندبہ کیا۔ ان میں سے ایک نے ایک مصرعہ یوں کہہ دیا ''ہم میں ایک نبی ﷺ ایسا ہے جو کل کی بات بھی جانتا ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ اور وہی کہہ جو پہلے کہہ رہی تھی۔

یہی روایت ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی بیان کی ہے۔ ابن ماجہ میں یہ الفاظ زائد ہیں:

کنابالمدینہ یوم عاشوراء والجواری	ہم عاشورہ کے روز مدینہ میں تھے اور کچھ لڑکیاں

يندين بالدف ويغنين فدخلنا	دف پر گا رہی تھیں۔ پھر ہم ربیع بنت معوذ کے
على الربيع بنت معوذوفذ كرنا ذالك	پاس گئے اور ان سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے
لها فقالت	اپنا یہی واقعہ بیان کیا۔

اس روایت میں دو لڑکیوں کے گانے کا ذکر ہے اور ندبہ میں ان لوگوں کا بھی ذکر ہے جو شہید ہو گئے تھے۔ نیز نبی ﷺ کا یہ قول بھی ہے کہ لا یعلم مافی غدِ الا اللّٰہ " کل ہونے والی بات کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

اس روایت سے یہ امور پایۂ ثبوت کو پہنچے کہ نبی ﷺ نے شادی کے موقع پر دف کے ساتھ لڑکیوں کا گانا سنا۔ جب وہ غلط کہنے لگیں تو آپ ﷺ نے اس غلطی کی اصلاح فرمائی اور پہلے کی طرح کہتے رہنے کی اجازت دی۔

(۲) بخاری میں عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ

زفت امرأة برجل من الانصار	عائشہ صدیقہؓ نے ایک عورت کی ایک انصاری
فقال النبی ﷺ یا عائشه ما	سے شادی کی۔ جب رخصت کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا
كان معكم من لهو فان الانصار	"اے عائشہ! تم لوگوں کے ساتھ کوئی لہو نہ تھا حالانکہ
يعجبهم اللهو۔	لہو کو انصار پسند کرتے ہیں۔"

اس روایت سے ظاہر ہے اگر لہو حرام ہوتا تو نبی ﷺ انصار کے لہو سے دلچسپی لینے پر ناراضگی کا اظہار فرماتے۔ پس ثابت ہوا کہ لہو مباح بھی ہے۔

(۳)۔ ابن ماجہ میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ:

ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم مر	رسول خدا ﷺ مدینے کی ایک گلی سے گزرے تو
ببعض ازقة فاذا هو	دیکھا کہ کچھ لڑکیاں دف بجا بجا کر گا رہی ہیں "ہم
بجوار يضربن بلدفهن ويغنين	سب بنی نجار کی لڑکیاں ہیں۔ خوشا نصیب کہ آج
ويقلن نحن جوارمن بنی نجار	محمد ﷺ ہمارے پڑوسی ہوئے ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا

یاحبذا محمد من جارفقال النبی صلعم اللہ انی لاحبکن	اللہ جانتا ہے کہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں۔

یہ روایت بھی اپنے مفہوم میں صاف ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے گانے بجانے کو پسند فرمایا۔

(۴)۔نسائی سائب بن یزید سے اور طبرانی جید سے روایت کرتے ہیں:

ان امراۃ جاء ت الی رسول اللہ صلعم فقال یا عائشہ اتعرفین ھذہ فقالت یا نبی اللہ حدثنا قال ھذہ قینۃ نبی فلان تحبین ان تغنیك فغنتھافقال النبی صلعم قد نفخ الشیطان فی منحزیھا	"ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی۔آپ ﷺ نے پوچھا عائشہ! کیا تم اسے پہچانتے ہو۔" عائشہ نے کہا آپ ﷺ بتایئے۔میں تو نہیں پہچانتی۔" فرمایا "یہ فلاں قبیلے کی مغنیہ ہے۔کیا تم اس کا گانا سننا پسند کروگی۔اس کے بعد اس نے عائشہ صدیقہ کو گانا سنایا۔آپ ﷺ نے فرمایا" یہ تو غضب کی گانے والی ہیں۔"

نفخ الشیطان فی منحزیھا کے عام طور پر یہ معانی لیے جاتے ہیں کہ "اس کے نتھنوں میں شیطان نے پھونک ماری ہیں۔" حالانکہ یہ معانی عربی محاورہ سے ناآشنائی کا ثبوت ہیں۔یہ عربی کا محاورہ ہے۔"منجد" اور "اقرب الموارد" میں ہے:

نفخ الشیطان فی انقہ اے تطاول الیٰ مالیس لہ۔	نفخ الشیطان فی انفہ کے معنی ہیں "وہ امکان سے بھی آگے بڑھ گیا۔"

پس یہاں بھی نفخ الشیطان فی منحزیھا کا مفہوم ہوگا کہ" وہ غضب کا مغنیہ ہے۔" حسن کو جب ہم ایمان سوز اور زہد رُبا کہیں تو حسن کی تحقیر مقصود نہیں ہوتی اس لیے اس محاورہ میں بھی شیطان کا لفظ آجانے سے موسیقی کی مذمت نہیں ہوسکتی۔آخر یہ بھی ذہن میں رکھیے کہ نبی ﷺ نے خود اس سے گانا سننے کی فرمائش کی تھی اگر گانا حرام ہوتا تو کون ہے۔جو یہ تصور بھی کر

سکے کہ نبی ﷺ حرام گانا سنانے کی فرمائش بھی کر سکتے تھے۔اسی لیے تو ابوالفتوح الغزالی نے فتوی صادر کردیا کہ:

فمن قال ان النبی صلعم سمع حراماً وما منع من السماع حراماً واعتقد ذالك فقد كفر بالا تفاق(۲)	جو شخص یہ کہے اور اعتقاد رکھے کہ نبی ﷺ نے حرام سنا اور حرام سننے سے نہیں روکا تو وہ بالا تفاق کفر کا مرتکب ہے۔

(۵)۔امام غزالی نے حبشیوں کے کھیل کے متعلق روایات تفصیل سے ''احیاء'' میں درج کی ہیں۔جو اس موضوع پر بخوبی روشنی ڈالتی ہیں۔ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حبشی رقص بھی کر رہے تھے اور گا بھی رہے تھے۔

كانت الحبشه يزفنون بين يدى النبى صلعم ويرقصون محمد عبدصالح (۳)	حبشی آپ ﷺ کے سامنے پاؤں مار مار کر ناچتے اور یہ الاپتے تھے ''محمد ﷺ اللہ کے صالح بندے ہیں۔''

(٦) ترمذی احمد بن منیع سے اور ابن ماجہ محمد بن طالب حاطب الجمحی سے نبی ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

فصل مابين الحلال والحرام الدف والصوت.	جائز اور ناجائز نکاحوں میں دف اور گانے کا فرق ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حرام کاری میں اعلان نہیں ہوتا۔خفیہ آشنائی ہوتی ہے اور حلال میں گا بجا کر نہ صرف خوشی کا اظہار ہوتا ہے بلکہ تشہیر بھی ہوتی ہے۔

یہ روایت دوسری اسناد میں حضرت عائشہؓ جابر اور ربیع بنت معوذ سے بھی مروی ہے۔احمد نے اپنی مسند میں اور نسائی نے اپنی سنن میں اسے نقل کیا ہے۔مشکوۃ میں بھی یہ روایت نقل ہوئی ہے۔حاکم نے مستدرک میں اس کی تصحیح کی ہے اس سے شادی پر صرف دف اور گانے کا جواز ہی ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض اوقات شادی بیاہ کے مواقع پر یہ چیزیں انتہائی ضروری ہو جاتی ہیں اور کسی وقت ان کے بغیر حلال و حرام کے ملتبس ہونے کا اندیشہ پیدا ہو سکتا ہے۔

(۷) ترمذی میں بریدہ بن الحصیب سے روایت ہے کہ

''نبی ﷺ جب کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے تو ایک کالی سی لڑکی آپ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگی ''یا رسول اللہ! میں نے منت مانی تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو سلامتی سے واپس لائے تو میں آپ ﷺ کے سامنے دف بجا بجا کر گاؤں گی''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''منت مانی ہے تو گا بجالے ورنہ رہنے دے۔'' اس کے بعد وہ گانے بجانے لگی۔ اتنے میں ابوبکرؓ آئے اور وہ بجاتی رہی عثمانؓ آئے اور وہ بجاتی رہی۔ پھر عمرؓ آئے تو دف کو الٹ کر اس پر بیٹھ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے عمرؓ! تم سے تو شیطان بھی ڈرتا ہے۔''

اس آخری فقرہ سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اس عورت کا گانا بجانا شیطانی فعل تھا، جو فاروق اعظمؓ کی تشریف آوری کے بعد ختم ہوا، لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ اگر یہ شیطانی فعل تھا تو ابوبکرؓ، عثمانؓ (اور ایک روایت میں علیؓ کا نام بھی ہے) اور خود نبی ﷺ نے اس شیطانی فعل کو کیوں برداشت کر لیا؟ پس اس میں اس فقرہ کا مفہوم یہ ہے ''اگر تمہارے خوف سے یہ عورت دف الٹ کر بیٹھ گئی تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے کیونکہ تم سے تو شیطان بھی ڈرتا ہے۔'' ایسے بہت سے شواہد موجود ہیں کہ فاروق اعظمؓ کے خوف سے بعض لوگوں نے جائز کام بھی چھوڑ دیے۔ مثلاً ایک موقع پر بہت سی عورتیں با آواز بلند نبی ﷺ سے گفتگو کر رہی تھیں۔ فاروق اعظمؓ کی آہٹ سُنی تو اِدھر اُدھر چھپ گئیں۔ نبی ﷺ کو ہنسی آ گئی۔ فاروق اعظمؓ نے ہنسی کا سبب پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ ''ابھی یہ عورتیں بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی تھیں۔ جب تم آئے تو سب بھاگ گئیں۔'' عمر فاروقؓ نے کہا ''اے اپنی جانوں کی دشمنو! تم رسول اللہؐ سے نہیں ڈرتیں اور مجھ سے ڈرتی ہو۔'' عورتوں نے جواب دیا ''ہاں! کیونکہ تم بہت درشت مزاج ہو۔'' (۴)

اب بھی آپ دیکھتے ہیں کہ بعض بڑے بوڑھوں کی ہیبت محلہ والوں پر اس قدر ہوتی ہے کہ انھیں آتا دیکھ کر بچے کھیل چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ پس یہ کیوں فرض کر لیا جائے کہ رسول اکرم ﷺ، ابوبکر صدیقؓ، عثمانؓ اور علیؓ کی موجودگی میں تو ایک فعل مباح تھا، مگر عمرؓ کے آتے ہی

شیطانی فعل بن گیا؟ پھر یہ بھی دیکھیے کہ اگر یہ منت ناجائز ہوتی تو نبی ﷺ صاف کہہ دیتے کہ چونکہ تیری منت ناجائز ہے، اس لیے ہم اسے پورا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ایسی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔

ایک مرتبہ بنی اسرائیل نے منت مانی کی کہ" ہر روزہ رکھ کر دھوپ میں کھڑا رہوں گا اور کسی سے بات نہیں کروں گا۔" نبی ﷺ نے اس منت کو پورا کرنے سے روک دیا اور فرمایا" سائے میں آجا، بیٹھ بھی آجا، اور افطار بھی کر۔"

سوچیے کہ اگر اس عورت کی منت بھی ناجائز ہوتی تو آپ ﷺ اسے پورا کرنے کی اجازت ہی کیوں دیتے۔خود آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ لا نذر فی معصیة الرب ولا فی قطیعة الرحم ولا فیما لا تملك ۔"ایسی کوئی منت صحیح نہیں جس میں خدا کی نافرمانی ہو یا قطع رحمی ہو، جو اپنے قبضہ سے باہر ہو۔"(۵)

ان سے قطع نظر ایک روایت اور بھی ہے جس میں فاروقِ اعظمؓ کا باصرار گانا سننا ثابت ہے۔علامہ نوراللہ حنفی لکھتے ہیں:

محمد بن طاہر محدث اپنی کتاب" صفوۃ التصوف" میں عبداللہ بن ابی ملی کہ سے ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کا یہ بیان روایت کرتے ہیں۔" نبی ﷺ کے پاس ایک عورت گا رہی تھی۔اتنے میں فاروقِ اعظمؓ نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔گانے والی نے اپنی دف تو نیچے ڈال دی اور خود کھڑی ہو گئی۔جب فاروقِ اعظم آئے تو نبی ﷺ ہنس رہے تھے۔انھوں نے وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے واقعہ بیان فرمایا۔اس پر فاروقِ اعظمؓ نے کہا" میں تو یہاں سے ٹلنے کا نہیں جب تک وہی نہ سن لوں جو سرورِ کائنات سن رہے تھے۔آخر عمرؓ نے بھی سنا۔"

اس روایت کو دوسری سند سے خطیب بغدادی نے بھی لکھا ہے اور محدث محمد بن اسحاق فاکہی نے ایک اور سند سے اپنی" تاریخ مکہ" میں نقل کیا ہے۔علامہ نوراللہ نے اسناد پر بحث کر کے ابن اسحاق کی سند کو" اصح الاسنا" د قرار دیا ہے۔اس روایت کو نقل کر کے علامہ نوراللہ لکھتے ہیں:

''اس حدیث کے صحیح ہونے اور اس کی سند کے موثق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ واضح رہے کہ یہ آیت منکروں کے اوہام کے لیے برہان قاطع کی حیثیت رکھتی ہے اور اہل تعصب کے تمام حیلوں کو ختم کر دیتی ہے جو گانا سننے کے جواز کو عید یا دوسرے جائز مواقع مسرت سے مخصوص کرتے ہیں اور گانے والی کے ڈر اور گریز کو موسیقی کی حرمت کی دلیل سمجھتے ہیں۔ اس امر کے جہالت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس روایت سے اور اس سے پہلی روایت سے یہ ثابت ہے کہ فاروق اعظمؓ نے نبی ﷺ کی موجودگی میں اصرار کر کے گانا سنا اور دف سنا۔ اس وقت نہ کوئی عید تھی نہ دعوتِ ولیمہ اور نہ تقریب ختنہ وغیرہ جسے فقہا شرط سمجھتے ہیں۔ اگر یہاں حرمت کا شائبہ ہوتا تو عمرؓ اور خود نبی ﷺ کیوں سنتے۔ پس جو شخص عمرؓ کے سماع کو جھٹلاتا ہے تو وہ گویا صحاح کی حدیث کو جھٹلاتا ہے''۔(٦)

علاوہ ازیں علامہ ابن البر کہتے ہیں کہ ''فاروقِ اعظمؓ خوات بن جبیر سے ساری رات گانا سنتے رہے۔ اس کے علاوہ بعض روایات میں انّ الشیطان یخاف منك یا عمر " اے عمرؓ! شیطان تجھ سے خوف کھاتا ہے'' کا جملہ سرے سے ہے ہی نہیں، اس لیے ممکن ہے یہ راوی کا اپنا اضافہ ہو۔''

(٨)۔ ابن ماجہ میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ:

''عائشہؓ نے اپنی کسی رشتہ دار انصاریہ کا نکاح کرا دیا۔ نبی ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے پوچھا ''کیا تم لوگوں نے اس لڑکی کو رخصت کر دیا؟'' عرض کیا ''جی ہاں۔'' فرمایا ''کیا کسی گانے والی کو اس کے ساتھ کر دیا تھا؟'' کہا ''نہیں۔'' فرمایا ''انصار تو عورتوں کے گانے سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ کاش! تم نے اس لڑکی کے ساتھ کوئی آدمی بھیج دیا ہوتا تو جو یہ گاتا ہوا جاتا:

اتینا کم اتیناکم فحیونا	ہم تمھارے گھر آئے۔ تم ہمارے گھر آئے۔ تم ہم پر سلامتی
نحییکم لولا الذهب الاحمر	بھیجو اور ہم تم پر۔ اگر زر سرخ نہ ہوتا تو تمھارے ہاں
ماحلت برادیکم لولا الحنطة	کوئی نہ آتا اور گندم کے دودھیا دانے نہ ہوتے تو
السمراء ما سمنت عذا راکم	تمھاری لڑکیاں گداز نہ ہوتیں۔''

طبرانی نے بھی یہی روایت نقل کی ہے۔ آخر میں یہ الفاظ ہیں ''تم نے اس کے ساتھ کوئی

عورت کیوں نہ کر دی جو ذرا گاتی اور دف بجاتی ہوئی جاتی''۔

(۹) ایک اور روایت حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی بیان کرتے ہیں:

''کسی انصاری نے عائشہؓ کے خاندان میں کہیں شادی کی۔ عائشہؓ نے لڑکی کو رخصت کر دیا تو نبی ﷺ نے پوچھا'' تم نے دلہن کو رخصت کر دیا۔'' عرض کیا'' جی ہاں۔'' فرمایا'' اس کے ساتھ کوئی گانے والا بھی بھیجا؟ انصار تو گانے کو پسند کرتے ہیں۔'' عرض کیا'' نہیں۔'' نبی ﷺ نے زینب سے فرمایا (جو مدینہ میں رہتی تھی اور گاتی تھی) '' جلدی روانہ ہو کر دلہن کے ساتھ جاؤ۔''

صحابہ کرامؓ اور سماع

ان احادیث سے نبی ﷺ کا سماع ثابت ہوا۔ اب صحابہ کرامؓ کے سماع کے متعلق علامہ سید مرتضٰی زبیدی لکھتے ہیں۔

''عبداللہ بن جعفر کا گانا سننا پوری شہرت کے ساتھ ثابت ہے اور تمام ایسے مستند فقہاء حفاظ حدیث اور مورخین اس واقعہ کو روایت کرتے ہیں جن کا مطالعہ اس معاملہ میں وسیع ہے۔ ابن عبدالبرا'' استیعاب'' میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفر گانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ ابو منصور بغدادی نے اپنے رسالہ میں جس کا موضوع سماع ہے، لکھا ہے کہ عبداللہ بن جعفر اپنی جلالت شان کے باوجود اپنی باندیوں کو نئی نئی دھنیں بتاتے تھے اور ان سے اپنے بربط پر گانا سنتے تھے۔ زبیر بن بکار اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفر ایک مرتبہ جمیلہ کے گھر گانا سننے تشریف لے گئے، کیونکہ جمیلہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ کسی کو اپنے گھر کے سوا دوسری جگہ گانا نہیں سنائے گی۔ اس نے انھیں گانا سنایا اور ارادہ کیا کہ اپنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے اور ان کے پاس آ کر انہیں گانا سنایا کرے، مگر انھوں نے اسے اس ارادہ سے باز رکھا۔'' (۷)

علامہ موصوف آگے چل کر عبداللہ بن زبیر کے متعلق لکھتے ہیں:

''ایک جماعت نے اور نیز شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے اپنی کتاب'' السوانح'' میں اپنی سند میں وہب بن سنان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ'' میں نے عبداللہ بن زبیر کو گانا گاتے سنا۔''

ابن زبیر کہتے تھے کہ مہاجرین میں شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہو جو ترنم کا شوق نہ رکھتا ہو۔امام الحرمین، ابن بی الدم اور دوسرے مستند مورخین روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر کے پاس بربط بجانے والی لونڈیاں تھیں۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرؓ ان کے پاس گئے تو بربط دیکھ کر پوچھا ''یہ کیا ہے؟'' ابن زبیر نے بربط ان کی طرف بڑھا دیا۔انھوں نے غور سے دیکھ کر کہا ''شامی ترازو معلوم ہوتی ہے۔'' ابن زبیر بولے ''ہاں ترازو ہی تو ہے۔اس پر عقلیں تولی جاتی ہیں۔'' شیخ تاج الدین مزاری نے بھی ابن زبیر کے گانا سننے کی روایت نقل کی ہے''۔(۸)

امیر معاویہؓ بن ابی سفیانؓ سے متعلق لکھتے ہیں:

''ماوردی نے ''حاوی'' میں لکھا ہے کہ جب عبداللہ بن جعفر گانا سننے کے مشغلے میں زیادہ منہمک ہوئے تو معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ ان کے پاس اس مسئلہ پر گفتگو کرنے گئے۔دونوں پہنچے تو گانے والی لونڈیاں چپ ہو گئیں۔معاویہؓ نے فرمایا ''انھیں کہے کہ اپنا شغل جاری رکھیں۔انھوں نے گانا شروع کیا تو معاویہؓ کو ایسا لطف آیا کہ وہ اپنا پاؤں تخت پر ٹپکنے لگے۔یہ دیکھ کر عمرو بن العاصؓ نے کہا'' جسے ملامت کرنے آئے تھے وہ تو آپ سے بہتر حالت میں ہے۔آپ کی طرح بے خودی اس پر طاری نہیں ہوئی۔'' یہ سن کر معاویہؓ نے کہا: ''چپ رہو عمرو! شریف آدمی صاحب جذب و کیف بھی تو ہوتا ہے۔''(۹) ابن قتیبہ نے اس روایت میں گانے کے ساتھ بربط کا ذکر بھی کیا ہے۔

فاروقِ اعظمؓ کے متعلق علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

''خوات بن جبیر کہتے ہیں'' ہم لوگ فاروقِ اعظمؓ کے ساتھ حج کو گئے۔ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی ساتھ تھے۔لوگوں نے فاروقِ اعظم سے التجا کی کہ ضرار کے اشعار ترنم سے سنوائیے۔انھوں نے کہا ''ابو عبداللہ خوات کو بلا کر کہو کہ اس کے اشعار گا کر سنائے۔'' خوات کہتے ہیں یہ شغل ساری رات جاری رہا۔جب صبح ہونے لگی تو فاروقِ اعظمؓ نے کہا ''خوات اپنی زبان اب بند کرو۔صبح ہو گئی ہے۔''(۱۰)

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں ''فاروقِ اعظمؓ تنہائی میں ایک دو شعر گا گا کر پڑھتے تھے۔'' (۱۱)

عثمان غنیؓ کے متعلق بھی سن لیجئے:

''عثمانؓ کے پاس دو لونڈیاں تھیں، جو انہیں رات کو گانا سناتی تھیں۔ صبح کے وقت آپ انہیں کہتے بس اب استغفار کا وقت ہے۔'' (۱۲)

ابوالفرج اصبہانی کا یہ قول علامہ شوکانی نے نقل کیا ہے:

''حسان بن ثابتؓ نے اپنے شعر سازوں کے ساتھ گوا کر سنے۔'' (۱۰)

علامہ شوکانی کتب تاریخ کے حوالے دیتے ہوئے ان صحابہؓ کے نام نقل کرتے ہیں، جن سے سماع ثابت ہے۔ ہم نیچے فہرست کی صورت میں ان صحابہؓ کے نام درج کرتے ہیں:

امیر المومنین فاروق اعظمؓ	(رواہ ابن عبدالبر وغیرہ)
امیر المومنین عثمان غنیؓ	(ماوردی، صاحب البیان)
رافعیؓ	(ابن ابی شیبہ)
عبدالرحمٰن بن عوفؓ	(ابن ابی شیبہ، ابن عبدالبر، المبرد، زبیر بن بکار)
ابوعبیدہ بن الجراحؓ	(بیہقی)
سعد بنؓ ابی وقاص	(ابن قتیبہ)
ابومسعود الانصاریؓ	(بیہقی)
بلالؓ	(بیہقی)
عبداللہ بن ارقمؓ	(ابن عبدالبر، بیہقی)
اسامہ بن زیدؓ	(ابن عبدالبر، بیہقی)
حمزہؓ	(رواہ الشیخان)
ابن عمرؓ	(ابن طاہر، ابن حزم، ابن ابی الدم)
براء بن مالکؓ	(ابونعیم، ابن دقیق العید)
عبداللہ بن جعفرؓ	(ابن عبدالبر وغیرہ)

عبداللہ بن زبیر	(ابوطالب مکی)
حسان بن ثابتؓ	(ابوالفرج اصبہانی)
قرظہ بن کعبؓ	(ابن قتیبہ)
خواتؓ بن جبیر	(الأغانی)
رباح المعترفؓ	(الأغانی)
مغیرہؓ بن شعبہ،	(ابوطالب مکی)
عمرو بن العاصؓ	(ماوردی، ابن قتیبہ)
ام المومنین عائشہؓ	(صحیح بخاری)
ربیع بنت معوذ	(صحیح بخاری)
نعمانؓ بن بشیر	(الأغانی، العقد، شرح المقنع)
عبداللہ بن عمرؓ	(زبیر بن بکار)

اوپر ان صحابہؓ کے نام دیے گئے ہیں، جنھوں نے موسیقی سنی ہے۔ سامنے ان لوگوں کے نام ہیں، جنھوں نے ایسی روایات کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ بعض مقامات پر صرف کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔

تابعین اور سماع:

ابوطالب مکی لکھتے ہیں:

''سعید بن مسیب تقویٰ میں بہت مقام رکھتے ہیں۔ اویس قرنی کے بعد سب سے افضل تابعی ہیں۔ سات فقیہوں میں سے ایک ہیں۔ انھوں نے گانا سن کر اس سے لطف لیا ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ سعید بن مسیب ایک مرتبہ مکہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ عاص بن وائل کے گھر سے اخضر کی آواز سنی۔ وہ یہ شعر گا رہا تھا:

تضوع مسکا بطن نعمان اذمشت   به زینب فی نسوة خضرات

(جب زینب شرمیلی عورتوں کے جھرمٹ میں چلتی ہے تو وادی نعمان معطر ہو جاتی ہے)

سعید بن المسیب اپنا پاؤں زمین پر ٹپکنے لگے اور کہا ''واللہ یہی وہ گیت ہے جسے سننے سے وجد طاری ہو جاتا ہے۔''

علامہ ابن طاہر لکھتے ہیں:

''سلمہ کہتے تھے میں سالم بن عبداللہؓ بن عمرؓ کے پاس گیا تو وہاں اشعب شعر گا رہا تھا۔ تین شعر گانے کے بعد سالم نے کہا کچھ اور سناؤ۔ پھر اشعب نے تین اور شعر سنائے۔ اس پر سالم نے کہا ''اگر بات مشہور ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں تمہیں بڑا معقول انعام دیتا اور تمہارا اچھا خاصا مقام ہو جاتا ہے۔'' (۱۴)

صاحب ''اغانی'' کہتے ہیں:

''عبدالعزیز بن عبدالمطلب قاضی مکہ، خارجہ بن یزید فقہائے سبعہ کے دوسرے فرد اور عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابتؓ ایک دعوت میں بلائے گئے۔ ان میں حسان بن ثابتؓ بھی تشریف لائے تھے۔ ان کی بینائی اس وقت جاتی رہی تھی۔ کھانے سے فراغت ہوئی تو میزبان نے دو لڑکیوں کو بلایا۔ ہر ایک کے پاس بربط تھا۔ انھوں نے بربط پر عجیب انداز سے حسان بن ثابتؓ کے اشعار گانے شروع کیے۔ لڑکیاں گاتی جاتی تھیں اور حسانؓ رو رو کر کہہ رہے تھے ''اس وقت میں اپنے آپ کو بینا محسوس کرتا ہوں''۔ جب لڑکیاں چپ ہو جاتیں تو حسان کی آنکھیں بھی تھم جاتیں اور جب وہ گانے لگتیں ان کی آنکھیں بہنے لگتیں۔'' (۱۵)

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

''الادقوی نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز خلافت سے پہلے موسیقی سنا کرتے تھے۔''

ابو منصور بغدادی لکھتے ہیں ''قاضی شریح اپنی عظمت و بزرگی کے باوجود نئی نئی دھنیں ایجاد کرتے اور گانے والی لونڈیوں سے سنا کرتے تھے۔'' (۱۸)

عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر المعروف بہ ابن ابی عتیق اس پایہ کے بزرگ ہیں کہ صحیحین میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔ ان کے متعلق ابو منصور بغدادی لکھتے ہیں:

''ان کا سماع اس قدر مشہور ومعروف تھا کہ تمام محدثین ومؤرخین اسے جانتے تھے۔ وہ اپنے زہد وتقویٰ کے باوجود سماع کے معاملہ میں بڑے آزاد تھے۔''(۱۹)

مشہور ومعروف ماہر علم سنن وآثار، زاہد ومتقی عالم علامہ عطا بن ابی رباح کے متعلق لکھا ہے:

''وہ آوازوں کی فنی تقسیم ثقیل اولیٰ اور ثقیل ثانی اور ان کے علاوہ دوسری دھنوں میں فرق کر سکتے تھے۔''(۲۰)

اسی طرح سعید بن جبیر، عامر الشعبی، محمد بن شہاب زہری اور سعد بن ابراہیم الزہری کا موسیقی سننا بھی ثابت ہے۔(۲۱)

تبع تابعین اور سماع:

مشہور محدث، عالم، فقیہ اور زاہد عبدالملک بن جریج نہ صرف موسیقی سنا کرتے تھے، بلکہ اس علم میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ مفتی مدینہ، امام مالک کے مشہور شاگرد عبدالملک بن ماجشون بھی موسیقی کے رسیا تھے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں'' جب وہ میرے پاس آئے تو ان کے ساتھ گویا بھی تھا۔ بڑے محدث اور بڑے فصیح تھے۔(۲۲) فقیہ ایسے تھے کہ فتوے انہی کے چلتے تھے یا ان کے والد کے تاہم موسیقی کے، رمز آشنا تھے۔''(۲۲)

عبداللہ بن مبارک بھی گانا سنتے تھے۔(۲۳) امام اعظم کے مشہور شاگرد امام داؤد الطائی کے علم وتقویٰ سے کون ناواقف ہے، مگر ان کے متعلق خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

''وہ موسیقی کی محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ ان کی کمر جھک گئی تھی، مگر موسیقی سن کر ان کی طاقت عود کر آتی اور جوش میں کمر سیدھی ہو جاتی تھی۔''(۲۴)

قاضی ابو یوسف بھی جن پر مذہب حنفیہ کا دارومدار ہے، گانا سنتے تھے۔ محمد کرد علی لکھتے ہیں:

''ہارون الرشید کی موسیقی کی محفلوں میں اکثر قاضی ابو یوسف بھی شریک ہوتے تھے اور ان پر نشاط کی بجائے اس انداز کا گریہ طاری ہوتا تھا جیسے ان کا ذہن موسیقی نے انعام اخروی کی طرف منتقل کر دیا ہو۔''

مصنف مذکور علامہ احمد بن ابی داؤد کا قول نقل کرتے ہیں:

''اگر میں معتصم کے پاس مخارق کا گانا سنوں تو مجھ پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ کیوں نہ ہو اچھی آواز پر تو بہائم بھی لپکتے ہیں۔'' (۲۵) مشہور فقیہ محمد بن اسحاق بن سلیم قاضی قرطبہ بھی گانا سنتے تھے۔'' (۲۶)

مشہور قاضی فقیہ، محدث اور شیخ الصوفیہ ابو طالب مکی نے سماع کے حق میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے اور اپنے سماع کا وہ خود بھی اعتراف کرتے ہیں۔ (۲۷)

فقہا اور موسیقی:

امام اعظم کا ذکر مبارک تابعین میں ہونا چاہیے تھا، مگر ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ انھیں فقہا کی فہرست میں رکھا جائے کیونکہ عوام میں امام صاحب کی یہ حیثیت زیادہ معروف ہے۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

ولا نص لا بی حنیفه واحمد علی التحریم و نقل عنهما انهما سمعاه (۲۸)	امام اعظم ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل سے کسی ظاہر روایت میں سماع کی حرمت ثابت نہیں۔ ان کا سننا ثابت ہے۔

صاحب ''ہدایہ'' نے ایک جگہ لکھا ہے:

''جو شخص دعوتِ ولیمہ یا اور کسی قسم کی دعوت پر بلایا جائے اور وہاں راگ یا کوئی اور کھیل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہاں بیٹھے یا کھانا کھائے۔ امام صاحب نے کہا میں بھی ایک مرتبہ ایسی مجلس میں پھنس گیا تو صبر سے بیٹھا رہا۔'' (۲۹)

یہ واقعہ نقل کر کے صاحب ''ہدایہ'' نے کہا 'ابتلیت (پھنس گیا تھا) کا لفظ حرمت ملاہی پر دلالت کرتا ہے۔'' مگر یہی صاحب ''ہدایہ'' ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''غازیوں کا طبلہ اور شادیوں میں دف بجانا مباح ہے۔ اگر کوئی شخص انھیں توڑ دے تو قیمت کا ذمہ دار ہوگا۔'' (۳۰) اور اسی پہلی عبارت میں بھی صاف لکھا ہے کہ دعوتِ ولیمہ یا دعوت

طعام پر راگ یا کھیل تماشہ سُن لینے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ اختیاری امر میں کسی حرام کا ارتکاب جائز ہو جائے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ علامہ شوکانی اور صدیق حسن خاں کے بیان کے مطابق امام اعظم اور امام احمد سے موسیقی کی حرمت کا کوئی واضح قول ثابت نہیں رہا۔ امام صاحب کا یہ فرمانا کہ ''ابتیت'' (میں پھنس گیا تھا) تو یہ طبعی نفرت کی وجہ سے ہو سکتا ہے، لیکن کوئی آدمی اگر کسی مباح سے طبعی طور پر نفرت کرے تو مباح حرام نہیں ہو جاتا۔

رہے امام مالک بن انس تو ان کے متعلق علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

''رویانی نے قفال سے روایت کی کہ مالک بن انس گانے بجانے کو مباح سمجھتے تھے۔'' (۳۱)

فقہاء میں سے بعض کا ذکر کرتے ہوئے امام شعرانی لکھتے ہیں:

''شریف ابو محمد ہاشمی سے گانا سننے کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں؟ ہاں میں نے اپنے شیخ ابوالحسن تمیمی کے دولت کدے پر دیکھا کہ شیخ المالکیہ ابوبکر ابہری، شیخ الشافعیہ ابوالقاسم دارکی، شیخ الحدیث طاہر بن حسین، شیخ الواعظین والزاہدین ابوالحسن بن شمعون، شیخ المتکلمین ابن مجاہد، علامہ ابوبکر باقلانی اور شیخ الحنابلہ ابوالحسن نے ایک آدمی کو گانے کے لیے کہا۔ اس نے ایک غزل گائی جس کے چند شعر یہ ہیں:

خطت انا ملهافی بطن قرطاس	رسالة بعبير لا بانفاس
ان زرفديتك بى من غير محتشم	فان حيك لى قد شاع فى الناس
وكان قولى لمن ادىّ رسالتها	قف لى لا سعىٰ على العيينُ الراس

(محبوبۂ دل نواز نے اپنی حسین انگلیوں کو حرکت دے کر عبیر کی مخلوط خوشبو سے کاغذ کے پرزے پر لکھا ''میں تم پر نثار، مجھے بے کھٹکے ملو کیونکہ تمہاری محبت کے چرچے اب دل سے نکل کر لوگوں کی زبانوں پر آ گئے ہیں۔'' میں نے خط پڑھا اور قاصد سے کہا ''ذرا رکنا۔ میں سر آنکھوں کے بل چلوں گا۔)

شریف ہاشمی نے کہا ان لوگوں کو غنا سنتے ہوئے دیکھ کر میں کیونکر اس کے مخالف فتویٰ دے

سکتا ہوں کیونکہ یہ عراق کے وہ مشائخ ہیں کہ اگر ان سب پر چھت گر جائے تو تمام عراق میں کوئی فتویٰ دینے والا باقی نہ رہے گا۔یعنی اگر وہ مر جائیں تو کوئی ایسا آدمی باقی نہ رہے گا جو کسی معاملہ میں فتویٰ دے سکے۔(۳۲)

امام عزالدین بن عبدالسلام اور دمشق کے شیخ اور مفتی شیخ تاج الدین فرازی دف اور شہنائی کے ساتھ گانا سنتے تھے۔(۳۳) ہم بخوف طوالت باقی فقہاء کے نام حذف کرتے ہیں اور شیخ محمد بن احمد مغربی کی یہ عبارت نقل کر کے ''سماع اور فقہاء'' کی بحث ختم کرتے ہیں۔

''جس کے اندر ذوقِ سلیم، وسیع المشربی اور درد ہو وہ موسیقی سے لطف اندوز ہوتا ہے اور جو اسے حرام کہتا ہے وہ گدھا ہے کیونکہ اس کی حلت پر اجماعِ امت ہے۔ اس کی ایک دلیل تو عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن زبیر کا عمل ہے اور علی المرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے عہد میں صحابہ میں سماع عام طور پر رائج تھا مگر کسی نے اس کے خلاف کچھ بھی نہیں کہا۔ لہذا اسے ''اجماع سکوتی'' سمجھنا چاہیے۔''(۳۴)

موسیقی کا جواز

آخر میں ہم علامہ عبدالغنی نابلسی کی بے مثال تصنیف ''ایضاح الدلالات فی سماع آلالات'' میں سے جستہ جستہ اقتباسات نقل کر کے اپنا ''مقدمہ'' ختم کرتے ہیں۔ علامہ موصوف فقہِ حنفی کے مشہور و معروف عالم ہیں۔ علامہ شامی اور علامہ طحطاوی جیسے فاضل ان کے خوشہ چین ہیں۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں:

''حاصل یہ ہے کہ اچھی آواز کا مختلف النوع باجوں پر سننے کا مسئلہ ایسا نہیں کہ اسے مطلق حرام کہہ دیا جائے تاآں کہ وہ ''لہو'' کے ساتھ مقید نہ ہو۔ اس بارے میں بعض احادیث مطلق ہیں اور بیشتر مقید ہیں۔ احادیث بھی اصل میں قرآنی آیات کی طرح ایک دوسرے کی تشریح کرتی ہیں۔ فقہائے اربعہ کی تمام عبارات بھی مقید ہیں اور اگر بعض فقہاء نے اسے مطلق حرام لکھا ہے تو وہ بھی مقید ہے، کیونکہ دین کی تفصیلات سے جو کچھ سمجھا جا سکتا ہے، وہ یہی تقیید

ہے۔ سمجھدار کے لیے تو اتنا اشارہ کافی ہے۔ رہا جاہل بے عقل وہ تو شارح کے مقصود کو ہزار طرح کی عبارتوں سے بھی نہیں سمجھتا۔ غرض یہ مسئلہ جب ''لہو'' کی قید سے مشروط ہے تو باجوں کی حرمت کا فتویٰ بھی اسی وقت صحیح ہوگا جب اس میں لہو کی شرط بھی پائی جائے اور اگر باجوں کی غرض لہو نہ ہو تو یہ حرام نہ ہوں گے، بلکہ ہر مومن و مسلم کے لیے جائز ہوں گے۔ خواہ وہ ناقص عوام ہوں یا کامل خواص اور اس حکم کو کسی سے پوشیدہ نہ رکھنا چاہیے۔ لہو سے مراد یہ ہے کہ اس کی وجہ سے طاعتِ الٰہی سے بے توجہی ہو یا فرائض و واجبات کو فراموش کر دیا جائے یا حرام و مکروہات میں رغبت ہو جائے۔ مثلاً شراب یا زنا یا اس طرح کی دوسری منہیات پر ابھارنے والا گانا سننا جس سے سنتے وقت یا بعد میں عارضی یا مستقل طور پر برے خیالات دل میں پیدا ہوں۔ (۳۵)

اور جاہل ہے وہ شخص جو یہ گمان کرتا ہے کہ آلاتِ موسیقی بجز لہو کے اور کچھ نہیں۔ اگر یہ آلات لہویت کے دائرہ سے کبھی باہر نہ ہو سکتے تو علماء نہ تو طبلِ جنگ کو اس سے مستثنیٰ کرتے اور نہ احادیث مطلقہ کی تخصیص کرتے۔

اگر کوئی جاہل یہ کہے کہ ہم تمھاری بیان کردہ تفاصیل نہیں مانتے بلکہ فقہاء نے جو باجوں کو مطلقاً حرام لکھا ہے، ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں تو میرا جواب یہ ہے کہ تم جاہل تو ہو ہی مگر تمھیں امتِ محمدیہ سے بھی بدظنی ہے اور تمھارے نہ ماننے سے حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تمھارے جیسے لوگوں کے لیے ہم نے جو تفاصیل لکھی ہیں، وہ ہماری من گھڑت نہیں۔ لہو کی قید فقہاء کی عبارتوں میں بالصراحت مذکور ہے، لیکن اس کے لیے جوان کتابوں کو سمجھ سکتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ حنفی اور غیر حنفی فقہاء کی تمام عبارتوں میں لہو کی قید موجود ہے۔ ہر فقیہ ''ملاہی'' یا ''لہو'' کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اگر بالفرض کسی نے استعمال نہ بھی کیا، تب بھی ہم کہیں گے کہ اس کے الفاظ میں لہو کی قید موجود ہے، کیونکہ دوسری عبارات میں صاف طور پر ''لہو'' کا لفظ موجود ہوگا۔ اسی طرح احادیث بھی مقید ہیں۔ ہماری طرح دوسرے لوگوں نے بھی یہی کچھ کہا جو ہم کہتے ہیں۔

ہم سوال کرتے ہیں کہ کیا ان پرندوں کی چہک سننا بھی حرام ہے۔ یہ بھی تو غایت درجہ

کے نغمہ نواز اور مطرب ہوتے ہیں اور انسانی جذبات میں تحریک پیدا کرتے ہیں۔ اگر اس کا جواب کچھ لوگ اثبات میں دیں تو ہم انھیں صرف جاہل اور مفتری ہی نہیں بلکہ پاگل بھی کہیں گے اور اگر وہ انہیں جائز بتائیں تو ہم کہہ دیں گے کہ تمام قسم کے نغمہ نواز آلات و مزامیر کی بھی یہی حالت ہے۔"(۳۴)

OOO

حواشی

(۱)۔ بخاری باب الضرب بالدف فی النکاح
(۲)۔ بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع
(۳)۔ مسند احمد ج۳، ص۱۵۲
(۴)۔ بخاری و ابوداؤد
(۵)۔ بخاری و ابوداؤد
(۶)۔ نغمہ عشاق
(۷)۔ "نیل الاوطار" میں بھی پوری تفصیل سے یہ سب کچھ نقل کیا گیا ہے بلکہ ابن حزم کی ایک روایت بھی نقل کی گئی ہے۔ جس میں ہے کہ ایک شخص چند لونڈیاں بیچنے مدینہ آیا۔ ابن عمر کو ملا تو وہ اسے ابن جعفر کے پاس لے گئے۔ ایک لونڈی ساز بجا سکتی تھی۔ ابن جعفر نے اسے خرید لیا۔
(۸)۔ شرح احیاء علوم الدین۔ ج۶ ص۴۵۸
(۹)۔ ایضاً
(۱۰)۔ ایضاً۔ نیز کتاب الرخصۃ لابن قتیبہ، کامل للمبرد
(۱۱)۔ استیعاب، ج۱، ص۱۷
(۱۲)۔ تلخیص الجبیر، ص۴۰۸۔ نیز کامل للمبرد، معرفت بیہقی المجلیس والانیس نہروانی معرفت لابن مندہ، الترغیب ابوالقاسم اصفہانی
(۱۳)۔ اتحاف السادہ، ج۵، ص۴۵۹
(۱۴)۔ نیل الاوطار، ج۸، ص۱۰۱، نیز کامل للمبرد
(۱۵)۔ قوت القلوب نیز تلبیس ابلیس جوزی، اوائل الذیل ابن سمعانی، معجم طبرانی
(۱۶)۔ ابن طاہر، نیز اوائل الذیل ابن سمعانی

(۱۷)۔ کتاب الأغانی نیز تذکرہ حرونیہ ابن مرزبان، مبرد
(۱۸)۔ ابن خلکان، ج، ص ۳۶۰
(۱۹)۔ قول ابن عبدالبر بحوالہ تہذیب التہذیب، ج ۶، ص ۴۱۰
(۲۰)۔ رسالہ سماع، منصور بغدادی
(۲۱)۔ تاریخ خطیب بغدادی، الامتاع۔
(۲۲)۔ ابن خلکان، ج، ص ۲۶۰۔
(۲۳)۔ قول ابن عبدالبر بحوالہ تہذیب التہذیب، ج ۶۔
(۲۴)۔ ابومنصور بغدادی کا رسالہ سماع بحوالہ ''اسلام اور موسیقی'' ص ۶۲۔
(۲۵)۔ الامتاع بحوالہ ''اسلام اور موسیقی''، ص ۶۵۔
(۲۶)۔ بغدادی بحوالہ ''اسلام اور موسیقی'' ص ۶۵۔۶۶
(۲۷)۔ قوت القلوب، ج ۲، ص ۶۱۔
(۲۸)۔ ابطال دعوی الاجماع فی تحریم مطلق السماع، ص ۴۲، نیز دلیل الطالب علی ارجح الطالب
(۲۹)۔ ہدایہ ج ۴، کتاب الکراہیۃ، نیز جامع الصغیر ص ۱۵۲۔
(۳۰)۔ ہدایہ کتاب الکراہیۃ۔
(۳۱)۔ ہدایہ باب الغصب۔
(۳۲)۔ نیل الاوطار، ج ۸، ص ۱۰۱۔
(۳۳) لطائف المنن، ج ۲، ص ۱۰۷۔
(۳۴) فرح الاسماع، مصنفہ محمد بن احمد مغربی تونسی، ص ۱۲، ۱۶۔
(۳۵)۔ فرح الاسماع۔
(۳۶)۔ ایضاح الدلالات فی سماع الآلات۔

ooo

افتتاحیہ

ہرطرح کی حمد وستائش خدائے قدوس ہی کو زیبا ہے، جس نے اولیاءاللہ کے مقدس دلوں میں عشقِ الہیٰ اور حُبِ خداوندی کی پاکیزہ شمعیں روشن کیں۔ان کی بے قرار روحوں کو اپنے دیدار کو والہانہ تڑپ عطا فرمائی۔ان کی بصیرت و بصارت کو اپنے جمالِ جہاں فروز کا اس قدر اشتیاق بخشا کہ وہ خواہشِ وصال کے متوالے ہو گئے اور جب ان کے دلوں نے مشاہدات، جلال و جمال کا نظارہ کیا تو خمارِ شیفتگی و سرگشتگی نے انھیں مدہوش کر دیا۔کتنی بلند نصیب ہیں وہ آنکھیں جنھیں کائنات کے ہر ذرے میں محبوبِ حقیقی کی جھلک دکھائی دیتی ہے اور کتنی خوش بخت ہیں وہ زبانیں جو ذکرِ محبوب کے سوا کسی اور کے ذکر سے آلودہ نہیں ہوتی ہیں۔ کتنے فیروزمند ہیں وہ لوگ کہ جن کے پردۂ بصارت پر اگر کوئی تصویر نمودار ہوتی ہے تو ان کے پردۂ بصیرت پر نقاشِ ازل کی حسین یاد ابھرتی ہے اور کس قدر پُرعظمت ہیں وہ نفوسِ قدسیہ کہ ہر دل کش نغمہ جن کی تارِ رگِ جاں پر ایک مضراب ثابت ہوتا ہے اور ان کے دلوں کی پاکیزہ وسعتیں محبوبِ ازل کے زمزموں سے معمور ہو جاتی ہیں۔ان کے نالۂ درد انگیز کی اداس چیخوں اور سازِ طرب کی رسیلی تانوں میں کوئی امتیاز نہیں سمجھتے۔ ہر آواز ان کے لیے یادِ حبیب کا پیغام ثابت ہوتی ہے۔نوحۂ الم اگر ان کے دلوں میں کسک پیدا کرتا ہے تو یہ کسک اللہ کے لیے ہوتی ہے اور نغمۂ طرب اگر انہیں مسرت و انبساط کے کیف سے سرشار کرتا ہے تو یہ سرشاری بھی اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے:

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار   بگزرانند وخمِ طرۂ یارے گیرند

یہی ان کا سماع ہے اور اسی کے وہ خواہش مند ہوتے ہیں۔ جمالِ حبیب کے بغیر ان کی آنکھوں کو کچھ نظر نہیں آتا اور صدائے محبوب کے سوا کوئی آواز ان کے کانوں تک نہیں پہنچتی۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے اپنی ولایت اور برگزیدگی کے لیے چھانٹ لیا ہے اور اللہ کی رحمت ہو سرورِ کائنات، پیغمبرِ انسانیت ﷺ پر

بروحِ اعظم و پاکش درودِ لامحدود

اور اللہ کی رحمت ہو صحابہ کرام، آلِ رسول ﷺ، ائمۂ عظام اور اولیائے والا مقام پر

............===.. .....

انسانی قلوب بھی جواہرِ اسرار کے بیش بہا معادن ہیں۔ روحانی اسرار دلوں میں اس طرح پنہاں ہیں، جس طرح آگ فولاد اور پتھر میں چھپی ہوتی ہے، بلکہ یوں کہیے کہ جس طرح دلدل کے نیچے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ مخفی ہو اسی طرح روحانی اسرار دلوں میں چھپے ہوئے ہیں، مگر دلوں میں چھپی ہوئی اس عظیم الشان دنیا کا مشاہدہ کرنے کے لیے موسیقی ہی دریچہ کا کام دے سکتی ہے اور یہی وہ دہلیز ہے جسے عبور کیے بغیر ہم اس دنیا میں داخل نہیں ہو سکتے۔ موسیقی کی دلربا اور رسیلی تانوں میں ہی وہ قوت ہے جو روحانی دنیا کے اسرار کو باہر نکال سکتی ہے۔ موسیقی قلبِ انسانی کو حرکت میں لاتی ہے اور پھر اچھے، برے ہر قسم کے رازوں کو باہر نکالتی ہے، کیونکہ برتن سے وہی چیز ہی تو چھلکتی ہے جو اس کے اندر ہو۔ پس موسیقی قلب کے لیے ایک صحیح ترین کسوٹی اور معیارِ ناطق کی حیثیت رکھتی ہے۔ دل پر اگر فاسد جذبات غالب ہوں تو موسیقی کی تحریک سے وہی باہر آتے ہیں اور اگر صالح جذبات غالب ہوں تو انھیں کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ دل فطری طور پر موسیقی کے مطیع ہیں۔ موسیقی کی اسی اہمیت کے پیش نظر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ موسیقی کی شرعی حیثیت کو واضح کیا جائے اور اس کی اباحت اور عدمِ جواز پر علماء میں جو اختلافات ہیں، ان کا جائزہ لیا جائے۔ ہم اس بحث کو دو ابواب میں واضح کریں گے۔ پہلا باب موسیقی کی اباحت کے متعلق ہوگا اور دوسرے باب میں موسیقی کے آداب، وجد و حال، رقص اور کپڑے پھاڑنے تک کے امور پر بحث ہوگی۔

OOO

پہلا باب

موسیقی کی حلت وحرمت پر علماء وصوفیاء کے اقوال

موسیقی سے دل میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے وجد وحال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ وجد اعضاء میں کبھی غیر متوازن حرکات پیدا کرتا ہے۔ انھیں اضطراب کہتے ہیں اور کبھی متوازن حرکات کا باعث بنتا ہے اور انسان تالیاں بجانا اور رقص کرنا شروع کر دیتا ہے۔ موسیقی کی اس مختصر سی تعریف کے بعد ہم اس کی اباحت اور عدمِ جواز پر مختلف علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں اور پھر اس کی حرمت کے دلائل پر تنقید کریں گے۔

موسیقی کی حرمت کے قائل کون ہیں

قاضی ابوالطیب الطبری نے امام مالک، امام شافعی (۱)، امام ابوحنیفہ، امام سفیان اور علماء کی ایک جماعت سے ایسے الفاظ نقل کیے ہیں جن سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ موسیقی ان کے نزدیک حرام تھی۔

امام شافعی کتاب ''آداب القضاء'' میں فرماتے ہیں ''گانا بجانا ایک مکروہ تماشا ہے جو باطل کے مشابہ ہے۔ ان چیزوں میں محو ہونے والا احمق ہے اور اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔''

قاضی ابوالطیب کہتے ہیں کہ امام شافعی کے شاگردوں کے نزدیک غیر محرم عورت کا گانا سننا ناجائز ہے، چاہے وہ حُرّہ ہو یا لونڈی اور چاہے وہ پردہ کے پیچھے ہو یا سامنے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے پاس گانے والی لونڈی ہو اور اس کا گانا سننے کے لیے لوگ جمع ہوتے ہیں، تو وہ شخص رذیل ہے اور اس کی شہادت قابل قبول نہیں۔ امام شافعی سے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ لکڑی سے گت بجانے کو پسند نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ زنادقہ نے یہ چیز قرآن حکیم سے غافل کرنے کے لیے ایجاد کی ہے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ ''نرد اور اس قسم کے دوسرے کھیل مکروہ ہیں اور میں شطرنج (۲) کھیلنا بھی پسند نہیں کرتا بلکہ ان تمام کھیلوں سے نفرت کرتا ہوں جو لوگ کھیلتے ہیں کیونکہ لہو ولعب دیندار اور شریف لوگوں کا شیوہ نہیں۔ امام مالک نے بھی گانے بجانے سے منع کیا اور فرمایا کہ جب کوئی شخص لونڈی خریدے اور وہ گانے والی ہو تو لوٹا دی جائے۔ ابراہیم بن سعد کے سوا تمام اہل مدینہ کا یہی مذہب ہے۔

امام ابوحنیفہ بھی اسے مکروہ قرار دیتے ہیں اور سرور کا سننا گناہ شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے اہل کوفہ مثلاً سفیان ثوری، حماد، ابراہیم اور شعبی وغیرہ ہم کا بھی یہی مسلک ہے۔

موسیقی کی حلت کے قائل کون ہیں

ابو طالب مکی نے اس کی اباحت پر مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ''صحابہ میں سے عبداللہ بن جعفرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، مغیرہ بن شعبہؓ اور معاویہؓ بن سفیان موسیقی سنتے تھے۔'' بلکہ ابو طالب مکی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ''صحابہ، تابعین اور سلف صالحین میں سے اکثر بزرگوں نے موسیقی سنی ہے اور ابھی تک اہل حجاز خاص موقعوں پر موسیقی سنتے ہیں اور یہ مواقع وہی مبارک مواقع ہیں جن میں اللہ نے اپنے بندوں کو عبادت اور ذکر کا حکم دیا ہے۔ مثلاً حج کے موقع پر ایام تشریق وغیرہ میں اور اہل مدینہ آج تک اہل مکہ کی طرح موسیقی کے دلدادہ ہیں۔ خود ہم نے بھی دیکھا کہ قاضی ابومروان کے پاس گانے والی لونڈیاں تھیں جو انھوں نے صوفیاء کے لیے تیار کر رکھی تھیں۔ یہ لوگوں کو موسیقی سے محظوظ کرتی تھیں۔ عطا کی دو لونڈیاں تھیں جن کی موسیقی سے عطا

کے بھائی لطف اندوز ہوتے تھے۔"

مصنف مذکور آگے چل کر لکھتے ہیں "ابوالحسن بن سالم کو کہا گیا کہ وہ موسیقی کو کیونکر ناجائز ٹھہراتے ہیں جب کہ حضرت جنید، سری سقطی اور ذوالنون موسیقی بڑے شوق سے سنتے تھے۔ اس پر ابوالحسن بن سالم نے کہا "میں کیسے موسیقی کو ناجائز کہہ سکتا ہوں جب ایسے لوگوں نے اسے جائز سمجھا ہے۔" عبداللہ بن جعفر طیار بھی موسیقی سنتے تھے لیکن وہ لہوولعب کو ناجائز سمجھتے تھے۔

یحییٰ بن معاذ سے روایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے "ہم نے تین چیزیں کھودی ہیں۔ حسین چہرہ جو گناہ کی آلائش سے معصوم ہو، بھلی بات جو دیانتداری سے کہی جائے اور اچھا بھائی چارہ جس میں وفا ہو۔ بعض کتابوں میں بعینہ یہی روایت میں نے حرث محاسبی کے متعلق پڑھی ہے۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ انتہائی زہد، احتیاط اور دین میں پختگی کے باوجود وہ موسیقی کو جائز سمجھتے تھے۔"

ابوطالب مکی ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں "ابن مجاہد ایسی دعوت قبول نہیں کرتے تھے جس میں موسیقی کا اہتمام نہ کیا گیا ہو۔" بے شمار لوگوں نے روایت کی ہے کہ ہمارے ساتھ ابوالقاسم ابن بنت منیع، ابوبکر بن داؤد اور ابن مجاہد ایک دعوت میں شریک ہوئے .... موسیقار پیش ہوئے تو ابن مجاہد، ابن بنت منیع اور ابن داؤد پر زور دینے لگے کہ وہ موسیقی سنیں۔ ابن داؤد نے کہا میرے والد صاحب روایت کرتے تھے کہ امام احمد بن حنبل نے موسیقی کو مکروہ قرار دیا تھا اور چونکہ میرے والد صاحب بھی اسے ناپسند کرتے تھے اس لیے میں بھی اس سے نفرت کرتا ہوں۔" اس پر ابو القاسم ابن بنت منیع نے کہا "میں نے اپنے دادا سے سنا وہ صالح بن احمد سے روایت کرتے تھے کہ ان کے (ابن داؤد کے) والد صاحب ابن الخبازہ سے موسیقی سنتے تھے۔" ابن مجاہد نے کہا "اے ابن داؤد تم! اپنے والد کے قول سے مجھے معاف رکھو اور اے ابوالقاسم! تم اپنے دادا کے قول سے مجھے معاف رکھو۔ اچھا اے ابو بن داؤد موسیقی میں کون سی چیز کو تو حرام سمجھتا ہے۔ کیا وہ اشعار حرام ہیں جو موسیقی میں گائے جاتے ہیں۔" ابن داؤد نے کہا "نہیں"۔ ابن مجاہد نے پھر سوال کیا "تو کیا

حسن صوت حرام ہے؟'' ابن داؤد نے کہا ''نہیں''۔ ابن مجاہد نے پھر پوچھا ''تو کیا تم آواز کے زیر و بم کو حرام سمجھتے ہو؟'' ابن داؤد نے کہا ''جب میں ایک شیطان پر غالب نہیں آیا تو دو شیطانوں کی قوت کو کیسے شکست دوں۔ مطلب یہ ہے کہ جب میں حسن صوت کو حرام نہیں کہتا تو اس کے زیر و بم کو کیونکر ناجائز کہہ دوں۔''

اولیاء میں سے ابوالحسن العسقلانی الاسود بھی موسیقی سنتے تھے اور اسے بہت پسند کرتے تھے۔ انھوں نے ایک کتاب بھی لکھی تھی جس میں منکرین سماع کے دلائل کی تردید کی تھی۔ اسی طرح دوسرے کئی اولیاء نے بھی موسیقی کی حمایت میں کتابیں تصنیف کی تھیں۔

بزرگوں میں سے کسی کا قول ہے کہ ''میں نے ابوالعباس خضر علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے پوچھا ''موسیقی کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے کیونکہ ہمارے علماء اس معاملہ میں بہت مختلف الرائے ہیں۔'' انھوں نے کہا ''موسیقی اس قدر صاف چیز ہے کہ علماء کے بغیر کوئی بھی موسیقی سن کر ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔''

ممشاوالدینوری کہتے ہیں ''میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ ﷺ سے موسیقی کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''میں اسے معیوب نہیں کہتا۔ بس یہ کہتا ہوں کہ اس کی ابتداء اور انتہا قرآنِ حکیم سے ہو۔''

مشہور عالم طاہر بن ہلال ہمدانی الوراق کہتے ہیں ''میں سمندر کے کنارے جدہ کی جامع مسجد میں معتکف تھا۔ مسجد کے ایک کونے میں کچھ لوگ گانا سن رہے تھے۔ مجھے سخت کوفت ہوئی اور ان سے کہہ دیا ''مسجد میں یہ بیت بازی کیسی۔'' اسی رات میں نے نبی ﷺ کو اسی کونے میں بیٹھا ہوا دیکھا۔ ساتھ ہی ابوبکرؓ تشریف فرما تھے اور شعر سنا رہے تھے۔ ادھر نبی ﷺ وجد کی حالت میں سینے پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔ پس میں نے خیال کیا کہ مجھے ان لوگوں کی بیت بازی سے نفرت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے تھے کیونکہ اب کہنے والے ابوبکرؓ ہیں اور سننے والے سرورِ کائنات ﷺ۔ تب آپ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور ''ھذا الحق بحق'' یا ''حق من حق'' فرمایا۔'' مجھے اس فقرہ میں

شک ہے۔"

شیخ جنید بغدادی فرماتے ہیں "صوفیائے کرام پر تین مواقع پر رحمتِ باری کا نزول ہوتا ہے۔اول کھانے کے وقت کیونکہ وہ سخت بھوک کے بغیر نہیں کھاتے۔دوسرے مذاکرہ کے وقت کیونکہ وہ "صدیقین" کے مقامات پر بات کرتے ہیں۔تیسرے سماع کے وقت جب ان پر وجد طاری ہوتا ہے تو وہ حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔"

ابن جریج کے متعلق روایت ہے کہ وہ موسیقی سننے کی رخصت دیتے تھے۔پوچھا گیا "قیامت کے روز آپ کی یہ اجازت نیکی شمار ہوگی یا بدی" تو انھوں نے جواب دیا۔یہ نہ نیکی ہے نہ بدی کیونکہ یہ لغو کے مشابہ ہے اور اللہ نے فرمایا ہے:

لَايُؤَاخِذُكُمُ اللّٰه و بِاللَّغْوِ فِيۡ اَيۡمَانِكُمۡ اللہ تعالیٰ لغو قسموں پر مواخذہ نہیں کرے گا۔"

موسیقی کے متعلق دونوں قسم کے اقوال نقل کیے گئے ہیں۔اب جو تقلید کے ذریعہ حق تلاش کرنا چاہے اسے مایوس ہونا پڑے گا کیونکہ یہ اقوال باہم متعارض ہیں۔اب جو شخص تقلید کو چھوڑ کر اپنی خواہش کی اتباع کرنا چاہے تو وہ اپنی پسند کے قول کی طرف مائل ہو جائے گا مگر اہل تحقیق کا یہ طریقہ نہیں۔پس حقیقت کی جستجو کرنی چاہیے اور یہ چیز ان دلائل کا جائزہ لینے سے حاصل ہو سکتی ہے جو جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں پیش کیے جاتے ہیں۔

موسیقی کی اباحت کے دلائل

جو لوگ موسیقی کو حرام کہتے ہیں وہ اصل میں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس فعل پر اللہ تعالیٰ عتاب کرے گا، لیکن اس کا فیصلہ مجرد عقل سے نہیں ہو سکتا۔کسی شرعی فیصلہ کے لیے یا تو نص ہونی چاہیے یا نص پر قیاس، لیکن موسیقی کی حرمت پر کوئی نص نہیں۔نہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول یا فعل سے اس کی ممانعت کی ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کے اقوال وافعال پر قیاس کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ موسیقی حرام ہے۔ہمارا یہ دعویٰ اس وقت مدلل ثابت ہوگا جب ہم موسیقی کو حرام سمجھنے والوں کے دلائل کا جائزہ لیں گے۔سر دست ہم یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ اس معاملہ میں

کوئی نص وارد نہیں۔ پس یہ دوسری چیزوں کی طرح مباح ہے۔اب ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ نص اور قیاس کی رو سے بھی موسیقی مباح ہے۔

سب سے پہلے قیاس کو لیجئے۔ موسیقی چند چیزوں کے امتزاج سے ظہور میں آتی ہے۔ پس اس کے اجزاء پر ہم علیحدہ علیحدہ بحث کریں گے۔

موسیقی کا اہم جزو آواز ہے۔ آواز موزوں بھی ہوتی ہے اور غیر موزوں بھی۔ موزوں آوازوں میں سے بعض با معنی ہوتی ہیں، جیسے اشعار اور بعض بے معنی ہوتی ہیں۔ جمادات وحیوانات کی آوازیں۔

دل کش آواز کا اس کی دل کشی کے باعث سننا کبھی حرام نہیں ہوسکتا بلکہ وہ نص اور قیاس کی رو سے حلال ہے، کیونکہ قوتِ سامعہ اپنی مخصوص غذا حاصل کر کے محظوظ ہوتی ہے۔ پس یہ اس کی فطرت ہے۔ اس دلیل پر اس طرح غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کے علاوہ اور بھی پانچ حواس عطا فرمائے ہیں اور ان میں سے ہر حاسہ اپنے مطلب کی چیز سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ قوتِ باصرہ حسین نظاروں سے لذت حاصل کرتی ہے۔ بہار جب جمالِ فطرت کا نقاب الٹتی ہے۔ سبزہ لہلہاتا ہے، جوئے رواں کو ٹھنڈی ہوا ہلکورے دیتی ہے، پھول کھلتے ہیں اور حسن مختلف رنگوں کے لباس اوڑھ کر جلوہ فگن ہوتا ہے تو قوتِ بصارت لطف اندوز ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف سوگوار مناظر اور قبیح چیزوں سے نگاہیں نفرت کرتی ہیں۔ قوتِ شامہ خوشبوؤں کو سونگھنے سے تازگی اور فرحت محسوس کرتی ہے اور بدبو کے جھونکے اسے ناگوار ہوتے ہیں۔ قوتِ ذائقہ شیریں ولذیذ کھانوں میں لطف محسوس کرتی ہے مگر کڑوی چیزوں سے نفرت کرتی ہے۔ قوتِ لامسہ لطیف، نرم اور ملائم چیزوں کے لمس سے انبساط حاصل کرتی ہے اور سخت اور کھردری چیزوں کے لمس میں کراہیت محسوس کرتی ہے۔ عقل کا بھی یہی حال ہے۔ اسے علم و معرفت میں لطف ملتا ہے مگر جہالت کا پرتو اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوجاتا ہے۔ بالکل اسی طرح قوتِ سامعہ بھی دلکش آوازوں میں اپنی طلب کی تسکین حاصل کرتی ہے اور بری آوازوں سے اسے نفرت ہوتی

ہے۔ بلبل کے دل کش گیتوں میں قوتِ سامعہ کے لیے کیف وسرور کا پیغام ہے لیکن گدھے کی چیخوں سے کانوں کو سخت نفرت ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَنْکَرَالْاَ صْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرُ — بے شک بری سے بری آواز گدھوں کی ہے۔

پس جس طرح ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ حسین مناظر سے لطف اندوز ہونا، خوشبو سونگھ کر فرحت محسوس کرنا، نرم وملائم چیزوں کو چھوکر فرحت حاصل کرنا اور علم ومعرفت کے حقائق سے لذت لینا گناہ ہیں، اسی طرح ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ دلکش آواز سے قوتِ سامعہ کا سرور حاصل کرنا گناہ ہے۔

قیاس اور آواز کی تصریحات کے بعد ان نصوص پر غور کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ نصوص بھی دلکش آواز سننے کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے احسانات جتاتے ہوئے فرمایا:(۳)

یَزِیْدُ فِیْ الْخَلْقِ مَایَشَاءُ

وہ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس سے بھی حسنِ صوت مراد ہے۔ حدیث شریف میں ہے مَاۤ بَعَثَ اللّٰہ نبیّاَ الا حسن الصّوت اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو حسنِ صوت کی صفت عطا فرما کر مبعوث فرمایا۔(۴)

پیغمبر انسانیت نے فرمایا:

اللہ اشد اذنا للرجل الحسن الصوت بالقرآن من صاحب القینۃ لقینۃ(۴)۔	اللہ تعالیٰ دل کش آواز کی تلاوت رغبت سے سنتا ہے جس طرح لونڈی والے اپنی لونڈی سے سنتے ہیں۔

حدیث شریف میں داؤد علیہ السلام کی تعریف میں ہے:

کان داؤد حسن الصوت فی النیاحۃ علیٰ نفسہٖ و فی تلاوۃ الزبور حتی	داؤد علیہ السلام جب اپنے نفس پر نوحہ کرتے یا جب زبور کی تلاوت کرتے تو ان کی آواز میں اس غضب کی دلکشی

كان يجتمع الانس والجن والوحوش والطير لسماع صوته وكان يحمل في مجلسه اربعمائة جنازة وما يقرب منها في الاوقات (۵)	اور اس بلا کا سوز و گداز ہوتا کہ انسان، جن، چوپائے اور پرندے ان کی آواز سننے کے لیے جمع ہو جاتے اور بعض اوقات آپ کی مجلس سے چار سو جنازے اٹھائے جاتے۔

ابو موسیٰ اشعریؓ کی تعریف فرماتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لقد اعطی مزمارا من مزا میر آلِ داؤد (۶)۔	انھیں (ابو موسیٰ اشعری کو) آل داؤد کے مزامیر سے میں سے ایک مزمار عطا کیا گیا ہے۔

خود اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "انّ انکرا لاصوات الصوت الحمیر " بھی اچھی آواز کی تعریف میں ہے کیونکہ جب گدھے کی آواز کو مکروہ قرار دیا تو لازماً اس سے یہ مفہوم نکلا کر کے آوازوں میں بعض دلکش ہوتی ہیں اور بعض ناگوار۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس آواز کا سننا تو زیادہ مباح ہے کیونکہ اس کا ذکر کتاب اللہ میں ہے تو لازماً بلبل کی آواز سننا حرام ہوا کیونکہ معیار ہی جب یہی ٹھہرا کہ جس کا ذکر قرآنِ حکیم میں ہو، وہی آواز مباح ہے تو بلبل کی آواز سننا حرام ہوگا کیونکہ قرآن میں اس کا کہیں ذکر نہیں، لیکن مخالفین بھی اس بات کے قائل نہیں اور وہ بھی بلبل کی آواز سننا مباح قرار دیتے ہیں۔ اب انھیں اپنی رائے پر نظر ثانی کرنی چاہیے کیونکہ جب وہ بلبل کی بے معنی آواز کو سننا مباح قرار دیتے ہیں تو بامعنی آواز سننے کے عدم جواز پر ان کی کون سی دلیل کارگر ہو سکتی ہے، بلکہ بامعنی آواز کا سننا تو بدرجہ اولیٰ مباح قرار پائے گا کیونکہ اشعار تو بامعنی ہونے کے ساتھ حکمت و موعظت سے لبریز بھی ہو سکتے ہیں۔

موزون آواز

آواز میں وزن کا ہونا حسنِ آواز سے الگ چیز ہے۔ کئی دل کش آوازیں وزن سے خارج ہوتی ہیں اور کئی موزون آوازیں دل کش نہیں ہوتیں۔ موزون آوازیں اپنے مخارج کے لحاظ سے تین قسم کی ہوتی ہیں!

۱۔ یا تو وہ جمادات سے نکلتی ہیں جیسے مزامیر، تار کے باجے، لکڑی سے گت بجانا اور ڈھول

وغیرہ کی آواز۔

۲۔ یا وہ حیوانوں کے گلے سے نکلتی ہیں مثلاً بلبل، قمری اور دوسرے گانے والے پرندوں کی آوازیں۔ چونکہ یہ اپنی دلکشی کے ساتھ موزون و متناسب ہوتی ہیں، اس لیے ان کی موسیقی سے سماعت لطف اندوز ہوتی ہے۔

۳۔ انسانی آواز

مزامیر بھی انسانی اور حیوانی آوازوں کو مدِ نظر رکھ کر بنائی گئی ہیں اور یہ صفت خلقت مشابہ ہے۔ صناع جو چیز بھی بناتے ہیں اصل میں وہ اللہ کی تخلیق و اختراع کے مشابہ ہوتی ہے۔ پس وہ اصل میں اپنی ایجاد کو خدا کی تخلیق ہی سے اخذ کرتے ہیں اور اسی کی پیروی کاریگروں کے مدِ نظر ہوتی ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم اس کی تشریح بیان نہیں کرتے۔ اتنا بہر حال ثابت ہے کہ مزامیر وغیرہ حیوانات کی آواز کو مدِ نظر رکھ کر بنائے گئے اور جب بلبل وغیرہ کی آواز کو حرام نہیں سمجھا جاتا تو اسی آواز پر بنائے ہوئے آلہ موسیقی کو کیونکر حرام کہا جاسکتا ہے۔ پس جمادات و حیوانات کی آوازوں میں کوئی فرق نہیں۔ پس انسان کی پیدا کردہ آوازوں کو بلبل کی آواز پر قیاس کرنا چاہیے۔ شریعت نے آلات لہو، تار کے باجے اور مزامیر (۷) کو ممنوع کیا ہے تو اس لیے نہیں کہ ان سے لذت حاصل ہوتی ہے بلکہ ان چیزوں کی حرمت شراب کی حرمت کے تابع ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کی تو ابتداء میں نبی ﷺ نے شراب کے برتنوں کو بھی توڑ دینے کا حکم صادر فرمایا اور اس کے ساتھ شرابیوں کے شعار یعنی رقص و موسیقی کو بھی حرام قرار دیا گیا۔ پس اصل میں یہ حرمت، حرمتِ عین نہیں بلکہ دوسری حرام چیزوں کے تابع ہے۔ جس طرح اجنبی عورت سے علیحدگی ناجائز ہے کیونکہ یہ زنا کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے۔ اسی طرح ران کی طرف دیکھنا بھی ناجائز ہے کیونکہ وہ شرم گاہ کے قریب ہے۔ شراب کی قلیل مقدار بھی حرام ہے کیونکہ وہ کثیر کا پیش خیمہ ہے۔ پس جو چیز بھی حرام ہے اس سے بچنے کے لیے حرمت کا ایک دائرہ کھینچا گیا ہے۔ اس دائرہ کے اندر آنے والی جزئیات پر بھی حرمت کا حکم ہوتا ہے تاکہ وہ ایک ڈھال کی طرح حرام چیز

کے قریب جانے سے بچائے۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا:

ان لكل ملك حمى وان حمى الله محارمهٗ   بے شک ہر بادشاہ کے لیے محفوظ جگہ ہے اور اللہ کی محفوظ جگہ وہ اشیاء ہیں جنھیں اس نے حرام ٹھہرایا ہے۔

پس موسیقی بھی شراب کی حرمت کی وجہ سے حرام کی گئی تھی اور اس کی تین وجوہات ہیں:

۱۔ یہ اس زمانہ کے مے خواروں کا شیوہ تھا، اس وقت موسیقی کو شراب کی تمہید سمجھا جاتا تھا۔ اسی علت کی وجہ سے شراب کے ساتھ موسیقی کو بھی حرام کیا گیا، جس طرح شراب کے برتنوں کو بھی توڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے

۲۔ چونکہ موسیقی میں اکثر شراب کا ذکر ہوتا تھا اور یہ ذکر شوقِ مے خواری پیدا کرتا تھا اور یہ شوق اپنی انتہاء کو پہنچ کر آخر مے نوشی کا سبب بنتا تھا، اس لیے اسے حرام ٹھہرایا گیا۔ یا مے خوار جب موسیقی سنتے تو انھیں شراب کی محفلیں یاد آجاتی تھیں، اس لیے اس کی حرمت کا بھی حکم دیا گیا۔ اسی وجہ سے ان خاص قسم کے برتنوں میں نبیذ بنانے سے بھی منع کر دیا گیا تھا۔ (نهى عن الانتباذ فى المذفت والختم والنقير ۔مزفت، ختم اور نقیر میں نبیذ بنانے سے رسول ﷺ نے منع فرما دیا(۸) جن میں کبھی شراب بنائی جاتی تھی۔ کیونکہ انھیں دیکھ کر شراب کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ ان برتنوں کو دیکھ کر سرور نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ سرور والی چیز کی طرف رہنمائی کرتے تھے، اس لیے ان میں نبیذ بنانے سے بھی منع کر دیا گیا۔ پس موسیقی سے بھی چونکہ انھیں شراب کی یاد آجاتی تھی، اس لیے اسے بھی ممنوع قرار دیا گیا۔

۳۔ فاسقوں کی عادت تھی کہ وہ موسیقی کے موقع پر اکٹھے ہو جاتے تھے۔ اگر مسلمان بھی اسی طرح اجتماع کرنے لگتے تو یہ ان سے تشبہ ہوتا کیونکہ جو آدمی جس قوم کا شعار اپنا لیتا ہے وہ گویا اسی میں شمار ہوتا ہے، اسی لیے اس سنت کو بھی چھوڑ دینے کی اجازت ہے، جو اہل بدعت کا شعار بن جائے تا کہ ان سے مشابہت پیدا نہ ہو۔ کوبہ کو اسی وجہ سے حرام کیا گیا

ہے (کوبہ وہ مستطیل شکل کا ڈھول ہے جس کی طرفین وسیع ہوتی ہیں اور درمیان سے پتلا ہوتا ہے۔ اسے عام طور پر مخنث بجاتے ہیں۔ اگر اس میں مخنثوں کی مشابہت نہ ہوتی تو اس کا حکم حج اور جہاد کے ڈھول کی طرح ہوتا)۔ اسی علت کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ اگر کچھ لوگ ایک مجلس میں میخواروں کی طرح جمع ہو جائیں اور وہاں شراب کی تمام صراحیاں اور پیالے ہوں لیکن ان میں شراب کی بجائے شکنجبین کا شربت ڈالا جائے۔ اس محفل میں بھی ساقی ہو جو گھوم پھر کر انہیں جام پلائے اور وہ یہ جام شرابیوں کی طرح پئیں اور ویسی ہی باتیں کریں تو یہ مجلس بھی حرام ہوگی۔ حالانکہ شربت شکنجبین فی نفسہٖ حلال ہے۔ اسی طرح قبا کا اوڑھنا اور سر کے بالوں کا بڑھانا ہے۔ یہ ان شہروں میں حرام ہوگا جہاں یہ اہلِ فساد کا لباس ہے لیکن ماوراء النہر کے علاقوں میں جہاں صالح قسم کے لوگ بھی یہ لباس پہنتے ہیں وہاں یہ حرام نہیں۔ اسی علت کے پیش نظر عراقی مزامیر اور آلاتِ موسیقی حرام کیے گئے ہیں کیونکہ وہاں عود، صنج، رباب اور بربط وغیرہ مے نوشوں کا شعار سمجھے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے آلاتِ موسیقی کا استعمال جائز ہے مثلاً شاہین الرعاۃ، حجیج، شاہین البطالین، طبل، قضیب وغیرہ۔ پس تمام آلاتِ موسیقی کا استعمال جائز ہے سوائے ان کے جو کسی ملک میں شرابیوں کے آلات سمجھے جاتے ہیں۔ چونکہ ایسے تمام آلات کا شراب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ان سے شراب کا شوق دلایا جاتا ہے۔ صرف شرابیوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے حرام ہوئے ہیں۔ پس وہ اصلاً مباح حالت پر باقی رہیں گے۔ جیسے پرندوں کی آوازیں ہیں، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ...... اس طرح بجانا بھی حرام ہے کہ نہ وہ کانوں کو خوش آئند معلوم ہوں اور نہ ہی ان کی آوازوں میں تناسب و توازن ہو۔ یہیں سے ثابت ہوا کہ حرمت کی علت محض کیف و سرور نہیں بلکہ اصل میں تمام خوشگوار اور پاکیزہ چیزیں حلال ہیں۔ ان کو حرام اس وقت کہہ سکتے ہیں جب وہ فساد کا باعث بنیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَتَه اللهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ

کہو کس نے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی ہے اور کھانے کی ستھری چیزوں کو حرام کیا ہے۔

پس یہ آوازیں حرام نہیں کیونکہ یہ وہ حسین و دل کش آوازیں ہیں، جن سے ہم کیف و سرور حاصل کرتے ہیں۔

موزون و بامعنی کلام

حسین کلام کا تیسرا درجہ موزون و بامعنی کلام ہے اور یہ شعر ہے جو انسان کے نطق سے نکلتا ہے، پس یہ بھی مباح ہوگا کیونکہ اس میں مفہوم کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا اور بامعنی کلام حرام نہیں ہوسکتا۔ اب چونکہ نہ موزون کلام حرام ہے اور نہ بامعنی، پس جب وہ الگ الگ حرام نہیں تو دونوں مل کر کیسے حرام ہو جائیں گے۔ ہاں مفہوم پر غور کرنا ضروری ہے۔ اگر اس مفہوم میں کسی حرام چیز کا اشتیاق پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو یہ کلام بہرحال حرام ہوگا چاہے۔ وہ نظم میں ہو چاہے نثر میں اور چاہے اسے گایا جائے چاہے نہ گایا جائے۔ امام شافعی نے بالکل صحیح کہا ہے کہ ''شعر بھی کلام کی قسم ہے۔ پس اس میں جو اچھی بات ہے وہ اچھی ہے اور جو بری ہے وہ بری ہے۔'' پس جس طرح گائے بغیر شعر پڑھنا جائز ہے اسی طرح اسے خوش الحانی سے پڑھنا بھی جائز ہے، کیونکہ مباحات اگر جمع ہو جائیں تب بھی مباح ہوں گے اور شعر پڑھنے کو کیسے معیوب سمجھا جاسکتا ہے جب کہ خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے اشعار پڑھے گئے (۹) اور آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ مِنَ الشعر لحکمة (۱۰)

بیشک بعض اشعار میں حکمت کی باتیں ہوتی ہیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ شعر بھی منقول ہے:

ذَهَبَ الَّذِيْنَ يعَاش فی اکنافهم وبقيت فی خلف کجلد لاجرب

(وہ لوگ تو چلے گئے، جن کے ساتھ زندگی سکون سے بسر ہوتی تھی اور میں ان کے پیچھے بیمار کی کھال کی طرح رہ گئی)۔

صحیحین (۱۱) میں ام المومنین عائشہؓ کی روایت ہے کہ ''جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو

صدیق اکبرؓ اور بلالؓ بیمار پڑ گئے۔ ان دنوں مدینہ مطہرہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔ میں والد بزرگوار سے بیمار پرسی کرتی تو وہ فرماتے:

کلّ امر مصبح فی اهله　　　والموت ادنی من شراك لعله

(ہر آدمی اپنے گھر میں ہی صبح کرتا ہے اور موت اس کے جوتی کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے)۔

اور بلالؓ کا بخار جب ہلکا ہوتا تو فرماتے:

الالیت شعری هل ابیتن لیلة　　　بواد و حولی اِذ خرو جلیل

وهل اردن یوما میاه مجنة　　　وهل یبدون لی شامة وطفیل

(کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ میں اس وادی (مکہ) میں کب رات گزاروں گا اور میرے اردگرد "اذخر" اور "جلیل" ہوں گے۔ کیا ہم پھر بھی کبھی "مجنہ" کے پانی میں اتریں گے اور ہمیں "شامہ" اور "طفیل" نظر آئیں گے۔)

ام المومنین فرماتی ہیں کہ جب میں نے اس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

اللهم حبب الینا مدینة　　　اے اللہ! مدینہ کو ہمارے لیے مکہ کی طرح محبوب بنا

کحبنا مکّة او اشدّ　　　بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت دوسرے صحابہ کے ساتھ پتھر اٹھاتے تھے اور آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ شعر تھا:

هذا الحمال لاحمال خیبر　　　هذا ابر ربّنا واطهر

(یہ اٹھانے والے خیبر کے اٹھانے والے نہیں بلکہ یہ تو ان سے کہیں زیادہ پاک اور اچھے ہیں)۔

ایک اور موقعہ پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاهم ان العیش عیش لآخره　　　فارحم الا نصار والمها جره

(عیش اگر ہے تو وہ آخرت کا عیش ہے۔ اے اللہ! میرے مہاجر و انصار کو وہی عیش نصیب کر)۔ اور یہ سب کچھ صحیحین میں (۱۲) موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں حسانؓ کے لیے منبر رکھواتے تھے، تاکہ وہ اس پر کھڑے ہو کر نبی ﷺ کے فضائل و اوصاف بیان کریں۔ قریش کی ہجو کا جواب دیں۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ روح القدس سے حسانؓ کی تائید کرتا ہے۔" جب نابغہ ذبیانی (۱۳) نے رسول خدا ﷺ کو اپنے اشعار سنائے تو آپ ﷺ نے فرمایا "لا یـنقص الله فاك بي" (اللہ تیرے دانت نہ توڑے یعنی اللہ کرے تو ہمیشہ ایسے اشعار کہتا رہے)۔ اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: "صحابہ سرور کائنات کو شعر سنایا کرتے تھے اور آپ ﷺ تبسم فرماتے رہتے۔" (۱۴) عمرو بن شرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

انشدت رسول ﷺ مائة	میں نے رسول ﷺ کے سامنے امیہ بن ابی الصلت کے
قافية من قول امية بن ابى الصلت كلّ ذلك	اشعار میں ایک سو قافیے پڑھے۔ ہر شعر پر آپ کہتے
يقول هيه هيه ثم قال ان كادفى شعره ليسلم	"پھر پڑھو" پھر فرمایا یہ شخص تو اپنے اشعار میں مسلمان ہے۔

(۱۵) انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے لیے سفر میں حدی خوانی کی جاتی تھی۔ عورتوں کے حدی خوان انجشہ ہوتے اور مردوں کے حدی خوان براء بن مالک ہوئے۔ جب عورتوں کے اونٹ تیز ہونے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

يا انجشه رويدك سوقك بالقوارير	اے انجشہ! شیشے کے برتنوں (صنفِ نازک کی نزاکت کی طرف اشارہ ہے) کے ساتھ آہستہ چلو۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے زمانہ میں عربوں کی عادت کے مطابق اونٹوں کے ساتھ حدی خوان ہوتے تھے۔ اور حدی وہی اشعار ہی تو ہیں۔ جنھیں دل کش آواز میں گایا جاتا ہے۔ تاہم نہ تو رسول ﷺ نے اس سے منع کیا نہ صحابہ میں سے کسی نے اس کو ناپسند کیا بلکہ اکثر اوقات اونٹوں کی رفتار تیز کرنے اور لطف حاصل کرنے کے لیے حدی خوانوں کو تلاش کیا جاتا تھا تو کیا

موسیقی کو حرام کہنے والے حدی کو بھی حرام کہیں گے؟

موسیقی محرکِ جذبات

روحوں کو دل کش نغمات سے عجیب مناسبت ہے۔ راگ میں اللہ تعالیٰ نے ایسی تاثیر رکھی ہے کہ اُدھر راگ چھڑا اور ادھر انسان پر عجیب وغریب کیفیات طاری ہونے لگیں۔ موسیقی کے بعض سُر انسان کو مسرور کر دیتے ہیں اور بعض مغموم۔ بعض سُروں کو سن کر انسان پر نیند طاری ہو جاتی ہے اور بعض سر انسان کو ہنساتے اور خوش کرتے ہیں۔ راگ چھڑتا ہے اور مطرب نغمہ الاپتا ہے تو انسان کے ہاتھ پاؤں سے عجیب حرکات سرزد ہوتی ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جس شخص کو موسم بہار کے رنگین پھول اور ساز کی دل نواز تانیں متاثر نہ کر سکیں، سمجھو کہ اس کے مزاج میں کوئی خرابی ہے اور یہ خرابی لاعلاج ہے۔ راگ بذاتِ خود مؤثر ہے۔ اس کے لیے بامعنی کلمات کی ضرورت نہیں۔ پنگھوڑے میں پڑے ہوئے بچے کو دیکھیے۔ جب ماں اسے میٹھی آواز سے لوری دیتی ہے تو وہ گہری نیند سو جاتا ہے۔ آخر اسے کیا معلوم ہے کہ ماں کے کہے ہوئے الفاظ کا مفہوم کیا ہے اور اونٹ بھی حدی سے متاثر ہوتا ہے۔ اس کے جذبات میں ایسی تحریک ہوتی ہے کہ بھاری بوجھ اسے ہلکا معلوم ہوتا ہے اور حدی سن کر طویل مسافتوں کو وہ بہت جلد قطع کر لیتا ہے۔ موسیقی اس میں ایسی مستی بھر دیتی ہے کہ اس کی رفتار میں بہت تیزی آ جاتی ہے۔ لمبا اور تھکا دینے والا سفر اس کے سامنے ہوتا ہے۔ اس کی پیٹھ پر بھاری بوجھ ہوتا ہے لیکن جب حدی کا کیف فضا میں پھیلتا ہے تو اس کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں اور رفتار میں اتنی سرعت آ جاتی ہے کہ اس کا بوجھ ہلنے لگتا ہے اور بعض اوقات تو وہ حدی کی مستیوں میں گم ہو کر اپنی جان کو ہلاک کر بیٹھتا ہے۔ ابو بکر محمد بن داؤد الدینوری المعروف الرقی کہتے ہیں کہ ''صحرا میں میری ملاقات ایک آدمی سے ہوئی۔ اس نے میری ضیافت کی اور اپنے خیمہ میں لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ خیمہ میں ایک حبشی غلام بندھا پڑا ہے۔ خیمہ کے سامنے کچھ اونٹ مردہ پڑے ہیں اور ایک اونٹ اس طرح تڑپ رہا ہے جیسے وہ اپنی بے قرار روح کو موت کی آغوش میں سلانا چاہتا ہے۔ حبشی نے مجھ سے التجا کی کہ میں اس کے آقا

سے اس کی سفارش کروں۔ جب کھانا آیا تو میں نے جب تک کھانے سے انکار کر دیا۔ عربوں کی مہمان نوازی ضرب المثل ہے اس لیے وہ میری ہر شرط ماننے کے لیے تیار ہو گیا۔ میں نے غلام کی رہائی کی سفارش کی تو اس نے کہا کہ ''اس غلام نے تو میرا تمام مال غارت کر دیا۔'' میں نے تفصیل پوچھی تو اس نے بتایا ''اس غلام کی آواز بڑی میٹھی ہے۔ اس کی حدی خوانی اونٹوں پر بے انتہا اثر ڈالتی ہے۔ اس نے میرے تمام اونٹوں پر بھاری بوجھ لادا اور اپنی حدی کے دل کش ترانوں سے اونٹوں کو ایسا مست کیا کہ انھوں نے تین روز کی مسافت ایک ہی رات میں طے کر لی اور جب ان سے بوجھ اتارا گیا تو سب اونٹ مر گئے، صرف یہی باقی بچا جو نیم جان ہے اور جس کے بچنے کی کوئی امید نہیں، لیکن چونکہ تم میرے مہمان ہوا، اس لیے میں تمھاری عزت افزائی کے لیے اسے تمہارے سپرد کرتا ہوں۔'' صبح ہوئی تو میں نے بھی اس کی آواز سننے کی خواہش کی اور اسے کہا کہ وہ اس اونٹ کے لیے حدی خوانی کرے جو کنوئیں سے پانی پینے جا رہا ہے۔ جونہی اس نے حدی شروع کی اونٹ رسی تڑا کر بھاگا اور میں منہ کے بل گر پڑا۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ میں نے اس سے زیادہ میٹھی آواز کبھی نہیں سنی۔'' پس ثابت ہوا کہ موسیقی قلب پر ایک محسوس اثر ڈالتی ہے اور جس کو موسیقی اثر نہ کرے تو وہ طبیعت کا ناقص، اعتدال کی راہ سے ہٹا ہوا اور روحانیت سے دور ہے۔ اس کی طبیعت میں سختی ہے اور وہ جانوروں اور پرندوں سے بھی گیا گزرا ہے کیونکہ یہ تمام موسیقی سے متاثر ہوئے اسی لیے تو داؤد علیہ السلام کی رسیلی آواز سن کر پرندے جمع ہو جاتے تھے۔

موسیقی بنفسہٖ مطلق مباح ہے لیکن جذبات پر یہ جس طرح اثر انداز ہوتی ہے ان اثرات کو مدِ نظر رکھ کر ہم اس کی حرمت یا اباحت کا فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ موسیقی انسانی جذبات کو تحریک میں لاتی ہے۔ جس کے جذبات صالح ہوں گے، اس کے لیے موسیقی خیر ہے اور جس کے جذبات فاسد ہوں گے، اس کے لیے موسیقی شر ہے۔ اس کا فیصلہ ماحول اور اشخاص کو دیکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کا اصل انحصار افراد کی نیت پر ہوتا ہے۔ ابوسلیمان نے بہت خوب کہا ہے کہ ''موسیقی دلوں میں وہ چیز پیدا نہیں کر سکتی جو ان میں نہیں۔ موسیقی تو اسی چیز کو متحرک کرتی ہے جو دلوں میں

موجود ہے۔" پس دل کش گیت گانا حرام نہیں۔ اگر مقاصد نیک ہوں اور ایسے الفاظ استعمال نہ کیے جائیں جو فاسد جذبات کو متحرک کریں۔ نیک مقاصد کے لیے موسیقی کا استعمال آج بھی سات مواقع پر معمول بہ ہے۔

ا۔ حاجیوں کا گانا

یہ لوگ ڈھول............ بجاتے اور اشعار گاتے ہوئے شہروں کا چکر لگاتے ہیں اور یہ موسیقی جائز ہے کیونکہ یہ وہ اشعار ہوتے ہیں جو کعبہ، مقام ابراہیم، خطیم اور زمزم وغیرہ کی شان میں کہے گئے ہوں۔ انھیں سن کر لوگوں کے دلوں میں شوق پیدا ہوتا ہے کہ وہ بھی جا کر بیت اللہ کا دیدار کریں اور جن دلوں میں یہ شوق پہلے سے ہی انگڑائیاں لے رہا ہو، یہ اسے اور چمکاتے اور جلا دیتے ہیں اور عملی طور پر حج کو جانے کے لیے اکساتے ہیں۔ حج چونکہ عبادت ہے اس لیے اس کا شوق پیدا کرنا بھی مستحسن ہے۔ جس طرح واعظ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی تقریر کو اشعار سے سجائے اور عبارت کو مسجع بنائے تاکہ لوگوں کے دلوں پر اثر ہو اور وہ گناہوں سے تائب ہو کر عبادت کی طرف رجوع کریں، اسی طرح دوسرے لوگوں کے لیے بھی شعر کہنا جائز ہے کیونکہ جب کلام موزوں اور مقفّٰی ہو تو وہ دل پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ پھر جب اس کلام کو خوش الحانی سے گا کر پڑھا جائے تو اس کا اثر اور زیادہ ہوتا ہے اور جب گیتوں کے ساتھ ساز بھی ہوں، ڈھول اور شاہین بھی ہوں تو اس کی تاثیر اور بڑھ جاتی ہے۔ بشرطیکہ اس میں وہ آلات موسیقی استعمال نہ کیے جائیں جو اوباش اور بدطینت لوگوں کی نشانی سمجھے جاتے ہیں۔ ہاں اگر ان سے ایسے لوگوں کو حج کرنے کا شوق دلایا جائے جن سے فریضہ ساقط ہو چکا ہے اور جنھیں والدین اجازت نہیں دیتے تو چونکہ ان کا حج کرنا حرام ہے اس لیے موسیقی کے ذریعہ سے حج کی ترغیب دینا بھی حرام ہوگا۔ اسی طرح اگر راستے پُرخطر ہوں اور امن نہ ہو تو بھی لوگوں کو حج کا شوق دلانا جائز نہیں۔

۲۔ غازیوں کا گانا

غازی لوگوں کو جہاد کی ترغیب دینے کے لیے جو موسیقی استعمال کرتے ہیں وہ بھی مباح

ہے، لیکن ان کے اشعار اور اشعار کو گانے کا طریقہ حاجیوں سے مختلف ہونا چاہیے، کیونکہ ان اشعار کا مقصد تو کفار کے خلاف غیظ وغضب اور جذبۂ شجاعت کو ابھارنا ہے اور زر و مال اور جان قربان کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ بہادری کے اشعار سے اس طرح کے اشعار مراد ہیں جیسے متنبی کہتا ہے

فان لا تمت تحت السیوف مکرماًتمت وتقباس الذل" غیر مکرمه

(اگر تو تلواروں کے سائے میں عزت کی موت نہ مرے تجھ پر افسوس کیونکر آخر کار تجھے ذلت کی موت آئے گی۔)

دوسری جگہ متنبی کہتا ہے:

یری الجبناء ان الجبن هزم　　　وتلك حذیعة الطبع اللئیم

(بزدل سمجھتے ہیں کہ جان بچا کر رکھنا ہی احتیاط ہے۔ کمینی طبیعت اسی طرح فریب دیتی ہے)۔

مطلب یہ ہے کہ بہادری کے اشعار کا وزن دوسرے اشعار سے مختلف ہوتا ہے۔ جب جہاد مباح ہو تو اس وقت شجاعت کے اشعار گا کر لوگوں کے جذبات ابھارنا بھی مباح ہے اور جب جہاد مستحب ہو تو یہ اشعار بھی مستحب ہوں گے، لیکن صرف اسی کے حق میں جس کے لیے جہاد پر جانا جائز ہو۔

۳۔ رجز

یہ وہ اشعار ہوتے ہیں جو بہادر آدمی میدانِ کارزار میں اپنے ساتھیوں کے اور کود اپنے جذبات ابھارنے کے لیے پڑھتے ہیں۔ ان اشعار میں اپنی تلوار کی تیزی، اپنی خاندانی شجاعت اور مذہب پر اپنی جاں نثاریوں کے فخریے گائے جاتے ہیں۔ اس کے لیے جہاد پر اکسانے والے گیتوں کا سا لب ولہجہ اختیار نہیں کیا جاتا۔ رجز میں نہ مغموم اور اداس سُر ہوتے ہیں اور نہ ہی آتش زیر پا کر دینے والے جوشیلے سُر۔ اس کی تانیں دھیمے اور ہوش مندانہ جذبات کی ترجمانی کرتی ہیں تاکہ لشکر انہی جذبات کو لیے دشمن کا مقابلہ کرے، اندھا دھند ٹوٹ پڑنے سے نقصان کا اندیشہ ہوتا

ہے اور جذبات کے بغیر میدان میں جانے والے اکثر پیٹھ پھیر جاتے ہیں۔ جب لڑائی مباح ہو تو رجز بھی مباح ہوگی، جب لڑائی مستحب ہو تو رجز بھی مستحب ہوگی اور جب لڑائی ممنوع ہو تو رجز بھی ممنوع ہوگی اور یہی چیز بہادر صحابی علیؓ، خالدؓ وغیرہم سے منقول ہے اور لڑائی میں شاہین کا بجانا مکروہ ہے کیونکہ اس کی آواز نرم اور اداس ہوتی ہے جو میدانِ کارزار سے زیادہ گھر اور وطن کا شوق دلاتی ہے اور یہ چیزیں جنگ کے لیے انتہائی مضر ہیں۔ اسی طرح وہ تمام سُر جو دل کو اداس کرتے ہیں اور اس طرح شجاعت کی بجائے بزدلی پر آمادہ کرتے ہیں ناجائز ہیں۔ اگر کسی نے فرض لڑائی میں رجز کا یہ طریقہ اختیار کیا تو وہ گنہگار ہوگا۔ ہاں اگر ممنوع لڑائی کو روکنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا تو یہ عین ثواب ہے۔

۴۔ نوحۂ غم

بعض نوحے ایسے ہوتے ہیں جو دلوں میں سوز گداز پیدا کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ موسیقی کا آلہ کار بہ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ سوز و گداز دو طرح کا ہے، ایک محمود دوسرا مذموم۔ مذموم نوحہ وہ ہے جس میں کسی ایسی چیز پر غم کھایا جائے جو اللہ نے انسان سے چھین لی ہو۔ مثلاً اگر کسی کی موت پر نوحہ کیا جائے تو یہ اصل میں خدا کے فیصلے پر غصے کا اظہار ہے۔ کتاب اللہ میں ہے:

كَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ	تم اس پر مایوسی کا اظہار نہ کرو جو مصیبت تم پر گزر چکی ہے۔

ایسے ہی نوحے ممنوع ہیں اور انہی سے منع کیا گیا ہے۔ پس اگر موسیقی سے ایسے نوحہ پر ابھارا جائے تو وہ موسیقی بھی ممنوع ہوگی۔

محمود نوحہ یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں پر پچھتائے۔ عرقِ ندامت سے آلودہ پیشانی کے ساتھ اپنی خطاؤں کا اقرار کرے اور اپنی نافرمانیوں پر روئے۔ پس یہ نوحہ قابلِ ستائش ہے۔ آدم علیہ السلام کا نوحہ اسی قبیل سے تھا۔ ایسا نوحے دراصل دل میں توبہ و انابت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور انسان کی سرکشی ختم کرتا ہے۔ داؤد علیہ السلام کے نوحے اسی

لیے قابلِ تعریف ہیں کیونکہ داؤد علیہ السلام ایسی پُرسوز آواز میں نوحہ کرتے تھے کہ ان کی محفلوں سے جنازے اٹھتے تھے۔ اسی لیے شیریں کلام واعظ کے لیے منبر پر پُرسوز آواز میں شعر پڑھنا جائز ہے۔ اپنے گناہوں کا اعتراف انسان کو اللہ کے قریب کرتا ہے۔ اپنی خطاؤں کو تسلیم کرکے جب انسان کے دل پر رقت طاری ہوتی ہے، اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہتے ہیں اور اس کے منہ سے آہوں کا دھواں نکلتا ہے تو اللہ اس پر اپنے دامنِ رحمت سے سایہ کر دیتا ہے۔

۵۔ نغمۂ شادی

خوشی کے مواقع پر مسرت و انبساط کے جذبات کو ابھارنے کے لیے موسیقی مباح ہے۔ مثلاً عیدین، شادی، ولیمہ، عقیقہ وغیرہ ایسے مواقع ہیں جہاں قدرتی طور پر دل فرحت محسوس کرتا ہے۔ ان کے علاوہ جب کوئی سفر سے واپس آئے یا کسی کے ہاں لڑکا پیدا ہو یا کسی کے لڑکے کا ختنہ یا حفظِ قرآن کے وقت اظہارِ مسرت کے لیے موسیقی مباح ہے۔ ایسے مواقع پر نغمۂ طرب کی سرور انگیزیاں ہی مناسب ہیں۔ سرورِ کائنات ﷺ کے خیر مقدم کے لیے مدینہ کی عورتوں نے بھی مسرت کا یہ راگ دف بجا بجا کر خوش الحانی سے الاپا تھا:

طلع البدر علینا　　من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا　　مادعا للّٰہ داع

(وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر بدرِ منیر طلوع ہوا۔ ہم پر اللہ کا شکر ادا کرنا واجب ہوا۔ جب تک دعا کرنے والا دعا کرے۔)

یہ نبی ﷺ کے خیر مقدم کا ترانۂ مسرت ہے اور واقعی یہ مسرت قابلِ رشک ہے۔ ایسے مواقع پر رقص و سرور سے بھی اظہارِ مسرت جائز ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ خوشی کے موقع پر انھوں نے اظہارِ انبساط کے لیے رقص کیا (اس کی تفصیل رقص کے تحت

آئے گی) پس ہر باہر سے آنے والے کے لیے اظہارِ مسرت کی خاطر رقص وسرود جائز ہے۔ صحیحین میں ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے۔ آپ فرماتی ہیں:

لقد رايتا النبى صلى الله عليه وسلم يسترنى	میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ وہ مجھے چادر میں لپیٹ رہے
بردائه وانا انظرالى الحبشة يلعبون	ہیں اور میں مسجد نبوی میں حبشیوں کے کرتب دیکھ رہی
فى المسجد حتى اكون انا الذى اسأمه	ہوں۔ حتیٰ کہ میں نے نبی ﷺ کو تھکا دیا پس تم خود ہی
فاقدرواقدر الجاديته الحديشة	اندازہ کرو کہ نوعمر لڑکی جو تماشا دیکھنے کی حریص اس
السن الحريصة على اللهو (اشارة الىٰ	نے کتنی دیر تماشا دیکھا ہوگا۔ (اس بات کی طرف
طول وقوفها)	اشارہ ہے کہ انھوں نے دیر تک تماشا دیکھا)۔

اسی طرح کی ایک دوسری روایت میں عائشہ صدیقہؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں:

رأيت النبى صلى الله عليه وسلّم يسترنى	میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ وہ مجھے چادر میں لپیٹ رہے
بردائه وانا انظر الىٰ الحبشة فهم يلعبون	ہیں اور میں مسجد نبوی میں حبشیوں کے کرتب دیکھ رہی
فى المسجد فزجر هم عمرؓ	ہوں کہ اتنے میں عمرؓ آ گئے اور انھوں نے حبشیوں کو
فقال النبى صلى الله عليه وسلم	ڈانٹا۔ نبی ﷺ نے فرمایا "اے بنو ارفدہ تم امن میں ہو
امنا يا بنى ارفده۔	یعنی بے خوف رہو۔"

ایک اور روایت میں ابوطاہر ابن وہب کے واسطہ سے ام المومنینؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

والله لقد رأيت رسول ﷺ	خدا کی قسم میں نے رسول ﷺ کو اپنے حجرہ کے دروازہ پر
يقوم على باب حجرتى والحبشة	کھڑا دیکھا اور حبشی مسجد نبوی میں برچھیوں سے کھیل رہے
يلعبون بحرابهم فى مسجد رسول ﷺ وهو	تھے۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنا کپڑا (یعنی چادر) اوڑھا دی
يسترنى ثبوبه اوبرنته لكى النظرالى العبهم ثم	تاکہ میں ان کا کھیل دیکھ سکوں پھر آپ ﷺ میری وجہ سے
يقوم من اجلى حتى لكرن انا الذى لنصرف	کھڑے رہے حتیٰ کہ میں سیر ہو کر لوٹی۔

ایک اور روایت میں ام المومنینؓ فرماتی ہیں:

وكان يوم عيد يلعب فيه السودان بالادق	عید کے روز حبشی نیزوں اور برچھیوں سے

والحراب فلما سألت رسول الله عليه وسلم	تھے مجھے یاد نہیں یا تو میں نے رسول اللہ صلعم سے کہا یا
واما قال تشتهين تنظرين فقلت نعم فاقامن	آپ ؐ نے خود فرمایا" کیا دیکھنے کی خواہش رکھتی ہو"
وراءه وخدى الىٰ خده ويقول دونكم	میں نے کہا" جی ہاں" پھر آپ ؐ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا
يابنى ارفده حتى اذا ملكت قال	کر لیا اور میرا رخسار آپ ؐ کے رخسار پر تھا اور آپ فرما رہے تھے
	اے بنو ارفدہ مشغول رہو۔ جب میں تھک گئی تو آپ ؐ نے
	فرمایا" بس کافی ہے۔" میں نے اثبات میں جواب دیا
	تو آپ ؐ نے مجھے جانے کا حکم دیا۔"

صحیح مسلم میں یہ الفاظ بھی ہیں:

فرضعت راسى علىٰ منكبه فجعلت انظر پس میں نے اپنی ٹھوڑی نبی ﷺ کے کندھوں پر رکھی

اِليهمُ حتى كنت انا الذى الضرفت اور حبشیوں کا کھیل دیکھتی رہی حتیٰ کہ خود ہی لوٹ گئی۔

صحیحین میں ہے کہ عقیل نے زہری سے انھوں نے عروہ سے انھوں نے ام المومنین عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ" ایک مرتبہ دو لڑکیاں آپ ﷺ کے پاس بیٹھی دف بجا رہی تھیں کہ ابو بکرؓ صدیق تشریف لے آئے۔ رسول ﷺ چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ ابو بکرؓ نے انھیں جھڑکا۔ اس پر نبی ﷺ نے چہرہ سے چادر ہٹائی اور فرمایا" اے ابو بکرؓ! انھیں چھوڑ دے کیونکہ یہ عید کے دن ہیں۔"

عمر بن الحرث نے ابن شہاب (۲۰) سے جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ" دونوں لڑکیاں گا بھی رہی تھیں اور دف بھی بجا رہی تھیں۔"

صحیحین میں ام المومنین عائشہؓ سے روایت ہے۔ آپ فرماتی ہیں:

كنت العب بالبنات عند رسول الله میں رسول اللہؐ کے پاس گڑیوں سے کھیلتی تھی۔

اس کے بعد فرماتی ہیں:

وكان ياتينى صواحب لى فكن يتقنعن یہ گڑیاں مجھے میری سہیلیاں لا دیتی تھیں جو رسول اللہؐ

من رسول ﷺ وکان رسول ﷺ یسر لمجیئهن الی فیلعبن معی

سے پردہ کرتی تھیں۔ آپ ﷺ ان کے میرے پاس آنے سے خوش ہوتے تھے اور وہ میرے ساتھ کھیلتی تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ

ان النبی ﷺ قال لها یوما ماهذا قالتْ بناتی قال فما هذا الذی اری فی وسطهن قالت فرس قال ماهذا الذی علیه قالت جناحان قال فرس جناحان قالت اوما سمعت انه کان لسلیمان بن دائود علیه السلام خیل لها اجنحة قالت فضحل رسول الله حتی بدت نواجذه(۲۲)

ایک روز نبی ﷺ نے گڑیوں کی طرف اشارہ کر کے عائشہؓ سے پوچھا "یہ کیا ہے؟" انھوں نے جواب دیا "یہ میری گڑیاں ہیں۔" آپؐ نے پوچھا "ان گڑیوں کے درمیان مجھے کیا چیز دکھائی دے رہی ہے" انھوں نے کہا "یہ گھوڑا ہے۔" آپ ﷺ نے پوچھا "اور اس گھوڑے کی پیٹھ پر کیا ہے؟" انھوں نے کہا "یہ اس کے پر ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا "ہیں! گھوڑا اور اس کے پر" ام المومنین نے جواب دیا "کیا آپ ﷺ نے سنا نہیں کہ سلیمان بن داؤد کا ایک گھوڑا تھا جس کے پر تھے" اس پر آپ ﷺ اس قدر ہنسے کہ داڑھیں ظاہر ہوگئیں۔"

ہمارے خیال میں یہ روایت بچوں کی اس عادت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ مٹی اور کپڑے سے جانوروں کی مورتیں بنا لیتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ گھوڑے کے دونوں پر کپڑے کے تھے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے ایک اور روایت ہے۔ آپ ﷺ فرماتی ہیں:

دخل رسول الله ﷺ وعندی جاریتیان تغنیان بغناء لباث فاضطجع علی الفراش وحوّل وجهه فدخل ابو بکرؓ فانتهرنی وقال مزمار الشیطان عند رسول الله فاقبل علیه رسول الله ﷺ وقال دعهما

میرے پاس نبی ﷺ تشریف لائے تو دو لڑکیاں جنگ بعاث کا ذکر گا رہی تھیں۔ آپ ﷺ بستر پر لیٹ گئے اور اپنا منہ پھیر لیا۔ اتنے میں ابوبکر صدیقؓ تشریف لائے اور مجھے جھڑک کر کہا "تم رسول اللہ کے پاس شیطان کا مزمار روا رکھتی ہو" اس پر نبی ﷺ نے صدیق اکبرؓ

فلما غفل عمر زتهما فخرجتا۔ | طرف متوجہ ہو کر فرمایا "انھیں کچھ نہ کہیے۔" جب صدیق اکبرؓ ان لڑکیوں سے غافل ہوئے تو میں نے انھیں اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر چلی گئیں۔

یہ تمام روایات صحیحین میں موجود ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ موسیقی اور کھیل حرام نہیں اوران احادیث میں چند اور چیزوں کی اجازت بھی پائی جاتی ہے:

۱۔ کھیل کی رخصت اور ظاہر ہے کہ حبشیوں کی عادت ہے کہ ناچتے اور کھیلتے ہیں۔

۲۔ اس تماشا کا مسجد میں ہونا۔

۳۔ نبی ﷺ کا ان کو یہ فرمانا کہ تماشا کیے جاؤ۔ ان الفاظ میں کھیل کی اجازت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے گویا کھیل جاری رکھنے کی درخواست بھی کی۔ پس اسے حرام نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔ ابو بکرؓ و عمرؓ کا منع کرنا اور آپ ﷺ کا فرمانا کہ انھیں کچھ نہ کہو کیونکہ عید کا روز ہے یعنی مسرت و انبساط کے وقت موسیقی جائز ہے۔

۵۔ عائشہ صدیقہؓ کی کاطرف داری کے لیے آپ ﷺ کا کھڑے رہنا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عورتوں اور بچوں کا دل خوش کرنے کے لیے کھیل دیکھنا۔ اس سے بہتر ہے کہ انسان اپنے زہدِ خشک کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیوی بچوں کے ساتھ کج ادائی کرے۔ نہ خود دیکھے اور نہ انھیں دیکھنے دے۔

۶۔ نبی ﷺ کا ابتدا اُم المومنینؓ کو فرمانا کہ تم تماشا دیکھنا چاہتی ہو۔ اس کی وجہ یہ تو نہ تھی کہ معاذ اللہ آپ ﷺ کو زوجۂ مطہرہ کی ناراضگی کا خوف تھا۔ پس گویا آپ ﷺ نے خود تماشا دیکھنے کی ترغیب دی۔

۷۔ دونوں لڑکیوں کا گانا اور دف بجانا بھی جائز سمجھا گیا، باوجود یکہ کہ صدیق اکبرؓ نے اسے مزمار شیطان سے تشبیہہ دی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مزمار شیطانی اور ہے۔

۸۔ لڑکیوں کی آواز آپ ﷺ کے کانوں میں پہنچتی رہی مگر آپ ﷺ لیٹے رہے۔ اگر کہیں تاروں کے ساز بجتے تو نبی ﷺ انہیں کبھی روا نہ رکھتے۔ یہی سے معلوم ہوا کہ

عورتوں کی آواز مزامیر شیطانی کی طرح حرام نہیں بلکہ اس کی حرمت اس وقت ہوتی ہے جب فتنہ کا احتمال ہو۔

یہ قیاسات دلالت کرتے ہیں کہ مسرت وانبساط کے مواقع پر رقص، موسیقی، دف بجانا، ڈھال اور ہتھیاروں سے کھیلنا، حبشیوں کے ناچ دیکھنا وغیرہ مباح ہیں۔ مسرت کے مواقع میں عید، شادی، ولیمہ، عقیقہ، ختنہ اور مسافر کے گھر لوٹنے کے دن شامل ہیں۔ اسی پر دوسرے مسرت کے مواقع بھی قیاس کیے جاسکتے ہیں۔ اگر چند احباب جمع ہوں، باہم گفتگو کریں اور اکٹھے کھانا کھائیں تو یہ بھی خوشی کا موقع ہے، اس لیے ایسے موقع پر بھی موسیقی جائز ہے۔

٦۔ موسیقی محرکِ شوق

عشاق کا راگ، شوق کی تحریک، عشق کے دوبالا ہونے اور نفس کی تسکین کے لیے ہوتا ہے۔ اگر موسیقی سامنے ہو تو موسیقی عرض وصال ہے اور اگر محبوب موجود نہ ہو تو موسیقی آتشِ شوق کو بھڑکانے کے لیے ہوتی ہے۔ اگرچہ شوق کی آگ بھی دل کو جلانے والی ہے مگر وصال کی امید پر عاشق جیتے ہیں اور ہجر وفراق کی راتوں کو تڑپ تڑپ کر گزارنے میں انھیں لطف ملتا ہے۔ امید بہر حال کیف بخش ہوتی ہے اور مایوسی دل کی موت ہے۔ امید وصل اسی وقت تک سرور وطمانیت کا موجب رہتی ہے جب تک دلوں میں شوق کی آگ بھڑکتی رہے۔ جب یہ آگ بھی ٹھنڈی ہو جائے تو مایوسی دل پر چھا جاتی ہے اور انسان ایک چلتا پھرتا لاشہ رہ جاتا ہے۔ پس امید کی شمع جلائے رکھنے کے لیے بھی موسیقی جائز ہے بشرطیکہ محبوب وہی ہے جس کا وصال شرعاً مباح ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنی منکوحہ یا لونڈی پر عاشق ہو تو وہ آنکھوں کو اس کے دیدار سے اور کانوں کو اس کی ترنم ریز آواز سے لطف ملتا ہے۔ پس اگر وہ اس کی موسیقی سنتا ہے تو اس کے کانوں کو ایک کیف آور نشاط ملتا ہے اور اس کا دل وصل وفراق کے نکات سمجھنے لگتا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ لہو ولعب ہے مگر متاعِ دنیا سب کی سب لہو ولعب ہی تو ہے۔

وما الحیوۃ الدنیا الا لھو" ولعب

مگر یہ لہو ولعب مباحات میں سے ہے۔ اسی طرح اگر اس سے لونڈی چھن جائے یا کسی اور وجہ سے جدا ہو جائے تو اسے جائز ہے کہ اپنے شوق کی تحریک موسیقی سے کرے اور راگ سے امید وصل کا

چراغ روشن رکھے، لیکن اگر اس لونڈی کو اس نے فروخت کر دیا ہو یا بیوی کو طلاق دے دی ہو تو اس صورت میں موسیقی کو شوق کی تحریک کے لیے استعمال کرنا حرام ہوگا، کیونکہ جہاں وصال اور دیدار بھی جائز نہیں وہاں تحریکِ شوق کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے تصور میں کسی عورت یا لڑکے کو محبوب رکھے، حالانکہ ان کا وصل اس کے لیے حرام ہو، وہ جو گیت سنے اسے اپنے تصور کے مطابق ڈھالتا جائے تو یہ حرام ہے کیونکہ اس سے حدود اللہ کو توڑنے کی جسارت پیدا ہوتی ہے۔ اکثر عشاق اور احمق نوجوان غلبہ شہوت میں ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں دیتے، جو ان کے حق میں ممنوع ہوں اور اس طرح اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ حدود اللہ کو توڑ بیٹھیں۔ پس موسیقی ان کے حرام ہے، اس لیے نہیں کہ موسیقی میں بذاتِ خود کوئی عیب ہے، حالانکہ محض اس وجہ سے کہ خود ان کے دلوں میں چور چھپا ہوا ہے اور گیت میں اگر محبوب سے محبوبِ حقیقی مراد ہوتا ہے تو وہ اس سے بھی محبوب مجازی مراد لیتے ہیں۔ کسی دانا سے عشق کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا ''عشق ایک نشہ ہے جو انسان کے دماغ پر سوار ہو جاتا ہے۔ یہ جماع سے ختم ہو جاتا ہے اور سماع سے بڑھتا رہتا ہے۔''

۷۔ عشاقِ حقیقی کی موسیقی

اس دنیا میں وہ نفوسِ قدسیہ بھی موجود ہیں جو ہر چیز میں محبوبِ حقیقی کی جھلک پاتے ہیں اور ہر آواز میں انھیں صدائے محبوب کی گونج سنائی دیتی ہے:

مقصودِ ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست
ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

موسیقی ایسے لوگوں کے لیے ایک نعمتِ عظمیٰ ہے کیونکہ یہ عشقِ الہیٰ کی آگ کو بھڑکاتی ہے اور حُبِ خداوندی کو پختہ کرتی ہے۔ یوں سمجھیے کہ ان پاکیزہ دلوں پر موسیقی چقماق کا سا اثر کرتی ہے اور اولیاء اللہ پر ایسے مکاشفات و لطائفِ غیبی کا ظہور ہوتا ہے جو احاطۂ بیان میں نہیں آ سکتے۔ جس نے وہ لذائذ چکھے ہیں، وہی ان کی مٹھاس جانتا ہے۔ رہے بذوق تو وہ ان کی قدر کیا جانیں؟ ان پر جو کیفیات طاری ہوتی ہیں صوفیاء انھیں ''وجد'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ لفظ وجود سے ماخوذ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ موسیقی

سن کر انسان اپنے دل میں ایسے احوال موجود پاتا ہے جن سے وہ پہلے نا آشنا تھا۔ ان احوال کے بعد جو لواحق وتوابع ظہور پذیر ہوتے ہیں، وہ دل کو عشق کی آگ سے پھونک دیتے ہیں اور اس کی کدورتیں اس طرح دھل جاتی ہیں۔ جس طرح سونے یا چاندی کو بھٹی میں ڈال کر کھوٹ نکال دیا جاتا ہے اور اس صفائی کے بعد وہ مشاہدات اور مکاشفات ہوتے ہیں جو عاشقانِ خداوندی کی منزلِ مقصود اور جمیع عبادات کا حاصل ہیں۔ موسیقی چونکہ ان حقائق تک پہنچنے کا راستہ ہے، اس لیے اسے بھی اس وقت عبادت تصور کیا جائے گا۔ موسیقی سے یہ احوال اس لیے حاصل ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موزون و مناسب نغمات میں اسرارِ روحانی پوشیدہ کر دیے ہیں اور انسانی روحوں کو موسیقی کی تسخیر میں دے دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے اثر سے شوق، حسرت، غم، انبساط اور انقباض کی کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ نغمات سے روحِ انسانی کیوں متاثر ہوتی ہے؟ یہ سوال علوم مکاشفات کے دقائق میں سے ہے۔ سنگ دل اور غبی آدمی موسیقی کے اصل لطف سے محروم ہے، لیکن موسیقی کے اہل کو اس میں عجیب لذت حاصل ہوتی ہے اور یہی لذت اس پر وجد طاری کر دیتی ہے۔ اس کا حال دگرگوں ہو جاتا ہے۔ رنگ بدل جاتا ہے اور جو لوگ موسیقی کے اہل نہیں، وہ اسے دیکھ کر متعجب ہوتے ہیں۔ ان کا یہ تعجب ایسا ہے جیسے چوپایہ بندر کی لذت پر، نامرد لذتِ شہوت پر، غلام ریاست اور اسباب عیش و تنعم پر اور جاہل لذتِ معرفت پر تعجب کرے اور احمق اس دانا پر تعجب کرے جو اللہ کی عظمت و جلال اور عجائب صنعت کے ادراک پر جھومنے لگے۔ اور ان تمام احوال کا سبب یہ ہے کہ لذت ایک قسم کا ادراک ہے اور اس کے لیے قوتِ مدرکہ ضروری ہے۔ اب جس شخص کی قوتِ مدرکہ کمزور ہوگی، وہ لذت یاب نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر کسی شخص میں قوتِ ذائقہ ہی نہ ہو تو وہ کسی چیز کی مٹھاس سے کیا لطف حاصل کر سکے گا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اَن دیکھے اللہ سے محبت کیسے کی جا سکتی ہے جسے موسیقی حرکت میں لائے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کو پہچانتا ہے وہ لازماً اس سے محبت کرتا ہے۔ معرفت کے پختہ ہونے کے ساتھ ساتھ محبت بھی پختہ ہوتی چلی جاتی ہے اور جب محبت کی پختگی انتہاء کو پہنچتی ہے تو اسے عشق کہتے ہیں، کیونکہ عشق کے معنی فرطِ محبت کے ہیں۔ جب اہل عرب نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ وہ غار

حرا میں گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں تو کہنے لگے:

ان محمد اقد عشق ربّه محمد ﷺ اپنے رب پر عاشق ہو گئے۔

قوت مدرکہ کو جمال سے محبت ہے اور یہ پرتو بھی اللہ تعالیٰ کا ہے کیونکہ وہ خود جمیل ہے اور جمال کو محبوب رکھتا ہے۔ پس اگر جمال ظاہری ہوگا جیسے جسم کا سڈول ہونا اور رنگ کا صاف ہونا تو یہ قوتِ باصرہ سے معلوم ہوگا اور اگر جمال باطنی ہو مثلاً جلال وعظمت، علوِ مرتبت، اخلاق و عادات، سخاوت اور استقلال وغیرہ تو ان کا ادراک دل کے حاسہ سے ہوتا ہے۔ جمال کا لفظ کبھی باطنی صفات کے لیے بھی بولا جاتا ہے:

ان فلاناحسن و جمیل بے شک فلاں حسین وجمیل ہے۔

اس فقرہ سے فلاں کی صورت کے اوصاف بیان کرنا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں محمود الاخلاق، جمیل الصفات اور سیرت و کردار کا اچھا ہے۔ بعض اوقات ایک دوسرے سے انہی باطنی صفات کی وجہ سے محبت ہو جاتی ہے، جس طرح صورت کی وجہ سے محبت ہوتی ہے اور یہی محبت جب انتہاء کو پہنچتی ہے تو عشق کے لفظ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ امام شافعی، امام مالک اور امام اعظم کی محبت میں اس حد تک بڑھے ہوئے ہیں کہ ان کے لیے جان و مال نثار کر سکتے ہیں۔ محبت میں وہ بہت غلو کرتے ہیں ان لوگوں پر وہ عاشق ہیں، جن کی صورت تک انھوں نے کبھی تو نہیں دیکھی، مگر ان کا یہ عشق جمالِ ظاہری سے نہیں، جمالِ باطنی سے ہے۔ یہ تو انسانوں کے ساتھ انسانوں کی محبت کا حال ہے۔ اب خدا کی محبت پر غور کیجئے۔ انسانوں میں تو محض چند ادنیٰ درجہ کی صفات ہیں، اس ذات بلند و بالا کے مقابلہ میں جو مجموعۂ اوصاف ہے۔ دنیا کی تمام خوبیاں اس کا پرتو ہیں۔ کائنات کا سارا جمال اس کے انوار کا ایک قطرہ ہے اور عالم کا سارا حسن اس حسنِ مجسم کا ایک ذرہ ہے۔ ازل سے ابد تک اور ثریا سے تحت الثریٰ تک اس کی صفت کی ایک تعریف ختم نہیں ہوتی۔ جس ذات کے یہ اوصاف ہوں، اس سے محبت کس طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ جو لوگ اس کی معرفت حاصل کر چکے ہیں ان کی محبت تو اس انتہا کو پہنچ جاتی ہے کہ اسے عشق کہنا بھی خطا ہے، کیونکہ عشق کا لفظ بھی اس افراطِ محبت کا

مفہوم ادا کرنے سے قاصر ہے۔ سبحان اللہ کس قدر عظیم ہے وہ ذاتِ مقدس کہ اس کی شدتِ ظہور ہی اس کے ظہور کا حجاب ہے اور اس کے نور کی پُر جلال نمود ہی آنکھوں کی نقاب ہے۔ اگر اس کی ذاتِ پُر انوار ستر پردوں میں منتشر نہ ہوتی تو اس کے رخِ انور کے جلوہ ہائے برق فگن شائقانِ دیدار اور طالبانِ جمال کی بصارت پھونک دیتے اور اگر اس کا ظہور ہی اس کے اخفاء کا سبب نہ بنتا تو عقلیں متحیر ہو جاتیں، دل پریشان ہو جاتے، قوتیں ابتر ہو جاتیں اور اجزائے حیات منتشر ہو جاتے اور اگر بالفرض دل پتھر اور لوہے کے ہوتے تب بھی اس کے ادنیٰ انوار تجلی کے سامنے شیشے کی طرح چُور ہو جاتے کیونکہ نورِ آفتاب کی ماہیت کی تاب شپرہ میں کہاں ہو سکتی ہے۔

اس بحث کی مکمل تحقیق جلد چہارم میں محبت کے باب میں ہوگی اور ثابت کیا جائے گا کہ غیر اللہ کی محبت قصور بلکہ جہالت ہے اور عارف خدا کے بغیر کسی سے محبت نہیں رکھتا کیونکہ حقیقت میں سوائے اللہ اور اس کی صنعت کے کوئی چیز موجود نہیں۔ پس جو کوئی کائنات کی تمام چیزوں کو مصنوعاتِ الٰہی سمجھے گا وہ مصنوعات کو دل نہیں دے بیٹھے گا بلکہ اس کی محبت صانع سے ہوگی۔ مثلاً جو شخص امام شافعی کا معتقد ہے وہ جب ان کی تصانیف کا مطالعہ کرے گا تو اسے ان کاغذوں سے، قلم دوات سے اور کتاب کی جلدوں سے محبت نہیں ہوگی۔ یہ نہیں ہوگا کہ وہ امام کے منتظم عربی الفاظ کو ہی دل دے بیٹھے اور خود امام سے محبت نہ کرے۔ ان چیزوں سے وہ محبت نہیں کرے گا۔ ہاں انھیں محض اس لیے عزیز رکھے گا کہ وہ اس کے محبوب (یعنی امام شافعی) کی چیزیں ہیں۔ اسی طرح جو شخص کائنات کی تمام اشیاء کو مصنوعاتِ خداوندی سمجھے گا تو وہ ان مصنوعات میں صانع کی صفات دیکھے گا۔ جس طرح کسی کتاب کی خوبی کا اعتراف اصل میں مصنف کی لیاقت کا اعتراف ہے اور کسی کتاب کو عزیز رکھنا اصل میں مصنف سے محبت کرنا ہے اسی طرح اللہ کی مصنوعات کے اوصاف کا اعتراف خود اللہ کی قدرتِ مطلقہ کا اعتراف ہے اور مصنوعات کو عزیز اسی صورت میں سمجھا جاتا ہے جب خالق سے محبت ہو۔ عشقِ الٰہی کی تعریف یہ ہے کہ وہ شرکت قبول نہیں کرتا۔ اس کے سوا جتنے عشق ہیں وہ شرکت قبول کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے محبوب بھی ہیں ان کی نظیر ممکن ہے، خواہ وجود میں ہو خواہ امکان میں، مگر محبوبِ حقیقی کا ثانی امکان اور وجود میں

ناممکن ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی محبت کو عشق کہنا مجازی اندازِ بیان ہے حقیقی تعبیر نہیں۔ہاں جن لوگوں کی ذہنیت چوپایوں کی سی ہے، وہ عشق کے ساتھ وصال کی طلب کو لازم سمجھتے ہیں اور وصال کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ اجسام ظاہری کا اتصال ہو اور شہوت پوری ہو جائے۔ایسے گدھوں کے سامنے عشق و محبت اور وصل و شوق جیسے پاکیزہ الفاظ کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔چوپایوں کے آگے نرگس و ریحان کو نہیں بکھیرا جاتا، بلکہ صرف گھاس بھوسہ اور شاخوں کے پتے رکھ دیے جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے حق میں ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں جن سے سننے والوں کو اپنی خواہشات کے مطابق وہم لاحق نہ ہو۔پس موقع و محل کے مطابق گفتگو کرنی چاہیے:

باہیچ فہم لافِ معنی چہ زنی　　　طفلانہ بطفل گفتگو باید کرد

پھر سننے والے کے ظرف کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پر ایسا وجد طاری ہو کہ اس کا دل پھٹ جائے۔ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں۔

انه صلى الله عليه و سلم ذكر غلاما كان فى بنى اسرائيل على جبل فقال لامه من خلق السماء قالت الله عزوجل قال فمن خلق الارض قالت الله عزو جل قال فمن خلق الجبال قالت الله عزوجل قال فمن خلق النعيم قالت الله عزوجل قال انى لا سمع لله شانا ثمه رمى بنفسه من الجبل فتقطع (۲۳)

....

....

نبی ﷺ نے ذکر کیا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا اپنی ماں کے ساتھ پہاڑ پر تھا۔اس نے ماں سے پوچھا ''آسمان کس نے پیدا کیا؟'' ماں نے جواب دیا ''اللہ نے۔'' اس نے پوچھا ''زمین کس نے بنائی۔'' ماں نے کہا ''اللہ نے۔'' پھر پوچھا ''پہاڑ کس نے پیدا کیے؟'' ماں نے جواب دیا ''اللہ نے۔'' اس نے پھر پوچھا ''بادل کس نے پیدا کیا؟'' ماں نے کہا ''اللہ نے۔'' اس نے کہا ''اللہ کی یہ شان ہے؟'' اور یہ کہہ کر اس نے پہاڑ سے چھلانگ لگائی اور زمین پر گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

غالباً اس کا سبب یہی ہوگا کہ جب اس نے خدا کی قدرت و جلال کی باتیں سنی ہوں گی تو اس پر

وجد طاری ہو گیا اور وہ اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکا۔

تمام کتب سماویہ اسی لیے اتری ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے لوگ طرب کریں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ میں نے انجیل میں یہ عبارت دیکھی:

غفینا لکم فلم تطر بوا وزمرنا	ہم نے تمہارے سامنے گایا مگر تم نے طرب نہ کیا
لکم فلم ترقصوا ای شوّقنا کم	اور ہم نے مزامیر بجائے مگر تم نے رقص نہ کیا یعنی
بذکر اللہ تعالیٰ فلم تشتا قوا	ہم نے تمہیں اللہ کے ذکر کا شوق دلایا مگر تم مشتاق نہ ہوئے۔

بس یہی وہ بحث ہے جو ہم نے موسیقی کی اقسام، اسباب اور اباحت کے متعلق چھیڑی تھی۔ یقیناً ثابت ہو چکا ہے کہ بعض مقامات وحالات میں موسیقی مباح ہے، بعض میں مستحب۔ اب ہم موسیقی کی حرمت کے عوارض پر بحث کریں گے۔

ooo

موسیقی کی حُرمت کے عوارض

پانچ عوارض کی بنا پر راگ حرام ہے۔ اول یہ کہ گانے والی عورت ہو جسے دیکھنا حلال نہ ہو اوراس کا راگ سننے سے فتنہ کا احتمال ہو۔ بے ریش لڑکے کو بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے، جب اس کا گانا سننے سے فتنہ کا احتمال ہو، مگر یہ حرمت ایسی حرمت نہیں جو موسیقی سے مخصوص ہو بلکہ اگر عورت ایسی ہو کہ اس کے کلام سے بھی فتنہ کا اندیشہ ہو تو نہ اس سے کلام کرنا درست ہے نہ تلاوت میں اس کی آواز سننا جائز ہے۔ لڑکے کو بھی اس پر قیاس کر لیجیے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورت یا حسین لڑکے کا گانا مطلق حرام ہے یا وہیں اس کی حرمت ثابت ہوگی، جہاں فتنہ کا احتمال ہو؟ فقہ کی رو سے یہ مسئلہ دو احتمال رکھتا ہے اور دو اصولوں پر منطبق ہوسکتا ہے۔ ایک اصول تو یہ ہے کہ اجنبی عورت سے تنہائی میں کلام کرنا بلکہ اس کی صورت تک دیکھنا حرام ہے، خواہ فتنہ کا احتمال ہو خواہ نہ ہو، اس لیے کہ خود یہ امر ہی محلِ فتنہ تھا، اس لیے شریعت نے اسے حرام ٹھہرادیا۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ لڑکوں کو دیکھنا مباح ہے، بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ لڑکوں کا حال عورتوں کی طرح عام نہیں بلکہ ان کے متعلق احتمال فتنہ کی پیروی کی جاتی ہے۔ عورت کی آواز دونوں اصولوں پر منطبق ہوسکتی ے۔ اگر اسی چیز پر قیاس کیا جائے کہ اس کا دیکھنا ہی حرام ہے تو آواز سننے کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا اور یہی قرین قیاس ہے، مگر دیکھنے اور آواز سننے میں بڑا فرق ہے، اس لیے اسے دیکھنے سے ہی شہوت بھڑک اٹھتی ہے اور آواز سننے کی داعی نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں آواز سننے سے زیادہ دیکھنے سے شہوت بھڑکتی ہے اور عورت کے راگ کے بغیر آواز شہوت کی محرک نہیں ہوتی، کیونکہ صحابہ کے زمانہ میں عورتیں مردوں سے باتیں کرتی تھیں۔ سلام ، استفتاء اور مشورے کرتی تھیں۔ اصل میں مجرد آواز نہیں بلکہ راگ ہی شہوت کی تحریک میں زیادہ متاثر ہے۔ لڑکوں کے معاملہ میں بھی راگ کو دیکھنے سے مؤثر سمجھا جائے گا کیونکہ جس طرح مردوں کو پردہ کرنے کا حکم نہیں، ویسا ہی عورتوں کو آواز مخفی رکھنے کا حکم نہیں۔ اس صورت میں قرین قیاس یہی ہے کہ راگ کے معاملہ میں فتنہ کے احتمال پر ہی بات منحصر ہونی چاہیے۔ عائشہ صدیقہؓ کی وہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے، جس میں کہا گیا کہ دو لڑکیاں گا بجا رہی تھیں اور رسولِ خدا ﷺ نے ان کی آواز سے احتراز نہ کیا بلکہ سنتے رہے، کیونکہ آپ ﷺ کو فتنہ کا خوف نہ تھا۔ غرضیکہ اس کا حال عورت اور مرد کے احوال کے لحاظ سے مختلف ہوگا، جوان کا اور حکم ہوگا۔ بوڑھے کا اور ایسے حالات میں احکام مختلف ہونا کچھ بعید نہیں۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ اگر روزہ دار بوڑھا اپنی بیوی کا بوسہ لے تو جائز ہے اور جوان کا بوسہ لینا درست نہیں کیونکہ روزہ کی حالت میں بوسہ جماع کا مقتضی ہوسکتا ہے اور وہ ممنوع ہے۔ اسی طرح راگ بھی دیکھنے اور قربت کا مقتضی ہوتا ہے۔ پس اس کی حرمت بھی ہر شخص کے حق میں جدا حکم رکھتی ہے۔

دوم یہ کہ آلاتِ موسیقی ایسے ہوں جو مے خواروں یا مخنثوں کا شعار ہوں۔ جیسے مزامیر، طبل، کوبہ اور تار کے باجے۔ ان تین کے سوا باقی تمام اپنی اصل پر ہیں یعنی مباح ہیں۔ جیسے دف جس میں جھانجھ ہوں، نقارہ، شاہین، لکڑی پر گت بجانا اور دوسرے آلاتِ موسیقی اور اگر مزامیر، طبل، کوبہ اور تار کے باجے ہوں تو وہ حرام ہیں۔

تیسری حرمت یہ ہے کہ گیت میں خرابی ہو یعنی اگر اشعار میں فحاشی، بے حیائی اور ہجو ہو یا ایسی باتیں ہوں جو اللہ، رسول ﷺ اور صحابہ پر افتراء ہوں جیسے رافضی صحابہ کی شان میں گستاخی کی باتیں گھڑ لیتے ہیں تو ایسی باتیں گائی جائیں یا ویسے کہی جائیں ہر حال میں حرام ہیں اور اس گناہ میں سننے والا بھی کہنے والے کے ساتھ برابر کا شریک ہے یا وہ اشعار جن میں کسی خاص عورت کے

اوصاف ہوں۔ کیونکہ عورت کا ذکر مردوں کے سامنے جائز نہیں۔ جس سے اس کے اعضاء بدن کا حال معلوم ہو۔ لیکن کفار اور بدعتیوں کی ہجو جائز ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے کفار کی ہجو کرنے کے لیے حسانؓ بن ثابت کو اجازت دی تھی۔

رہے تشبیب کے وہ اشعار جنھیں قصائد کی ابتداء میں لانا شعراء کا معمول ہے، تو ان میں تامل ہے اور صحیح یہ ہے کہ جنھیں موزوں کرنا اور پڑھنا خواہ راگ سے ہو خواہ بغیر راگ کے، حرام نہیں اور سننے والے کو چاہیے کہ جنھیں کسی متعین حسینہ پر منطبق نہ کرے۔ اس طرح کے تصور سے وہ گناہ گار ہوگا اور جس شخص کی یہ حالت ہو کہ وہ ایسے اشعار سن کر انھیں کسی خاص عورت پر منطبق کرنے کی کوشش کرے، اسے موسیقی کے قریب بھی نہیں آنا چاہیے۔ اس لیے کہ جس شخص پر عشق کا بھوت سوار ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ سنتا ہے اُسے اپنی محبوبہ کی مدح پر ڈھال لیتا ہے خواہ الفاظ اس کے اپنے مفہوم کے متحمل ہوں یا نہ ہوں۔ مثلاً جس کے دل پر عشقِ الٰہی غالب ہو وہ زلفوں کی سیاہی کو کفر کی تاریکی سمجھتا ہے۔ رخساروں کی تازگی اور سفیدی کو نورِ ایمان سے تعبیر کرتا ہے۔ ذکرِ وصال سے دیدارِ خداوندی مراد لیتا ہے۔ فراق سے خدا کی ناراضگی کا مفہوم سمجھتا ہے اور رقیب سے دنیاوی علائق وعوائق مراد لیتا ہے، جو اسے اللہ کے ذکر سے غافل کرتے ہیں۔ ان الفاظ کو اس قسم کے مفہوم پر ڈھالنے میں اسے تامل وتفکر کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ جو باتیں اس کے دل پر غالب ہوتی ہیں وہ کسی لفظ کے ساتھ ادنیٰ سی مناسبت پر جھٹ ذہن میں آ جاتی ہیں۔ چنانچہ کسی بزرگ کا ذکر ہے کہ بازار سے گزر رہے تھے تو ان کے کانوں میں یہ آواز آئی ''خیار۔ پیسے کے دس۔'' ان پر وجد طاری ہو گیا۔ کسی نے جو حال پوچھا تو کہا جب خیار (صالح لوگ) پیسے کے دس ہیں تو اشرار (برے لوگ) کی کیا قیمت ہوگی'' یعنی خیار جس کے معنی کھیرا تھے، اس سے انھوں نے خیار جمع خیر بمعنی بہتر مراد لیا۔ ایک اور بزرگ کا ذکر ہے کہ بازار میں کسی کو سعتری بری (جنگلی پودینہ) کی آواز لگاتے سنا تو جھٹ ان پر وجد طاری ہو گیا۔ کسی نے پوچھا تو کہا'' میں نے سنا گویا وہ کہتا ہے۔'' ''اسع تر بری'' (یعنی کوشش کر میرا سلوک دیکھے گا)۔ حتیٰ کہ بعض مواقع پر عرب کے اشعار

سن کر اہل فارس کو وجد آ جاتا ہے، اس لیے کہ عربی کے بعض الفاظ فارسی ہم تلفظ اور ہم وزن ہوتے ہیں۔ وہ لوگ ان سے اپنی زبان کے مطابق مفہوم سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً کسی نے یہ مصرع پڑھا

وما زار نی فی اللیل الا خیاله

(رات کو محبوب کے خیال کے سوا کوئی میرے پاس نہ آیا)۔

اس پر ایک فارسی وجد کرنے لگا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا تو کہنے لگا ''اس شخص نے کہا ہے ''مازاریم'' یعنی اس نے عربی کے ''ما'' نافیہ کو فارسی کی ضمیر جمع متکلم خیال کیا اور ''زار'' فارسی میں نحیف اور قریب الموت کو کہتے ہیں، تو خیال کیا یہ شخص یوں کہتا ہے ''ہم سب آمادۂ ہلاکت ہیں۔'' پھر اس کے دل میں آخرت کی ہلاکت کا خوف پیدا ہوا اور وہ وجد کی حالت میں تڑپنے لگا۔ جو شخص آتشِ عشق میں جل رہا ہو اس کا وجد اس کی فہم کے مطابق ہوتا ہے اور اس کی فہم اس کے خیال کے مطابق ہوتی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ اس کا خیال شاعر کے خیال کے مطابق ہو۔ اس طرح کا وجد درست ہے کیونکہ آخرت کے خوف سے عقل کا مختل اور اعضاء کا مضطرب ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ عشاقِ حقیقی تشبیب کے الفاظ کو بدل کر اپنی مراد کے مطابق معنی پہنا سکتے ہیں، لیکن کج رو نوجوان تو اپنے مزاج کے مطابق سیدھی بات کو بھی الٹے معنے پہنا لیتے ہیں اور موسیقی کا ہر زیر و بم ان کے لیے شہوت بھڑکانے کا سبب بنتا ہے:

چو شوریدگاں مَی پرستی کنند　　　برآوازِ دولاب مستی کنند

پس جو شخص پر مخلوق کا عشق غالب ہو اُسے راگ سے احتراز کرنا چاہیے۔

چوتھا عارضۂ حرمت بھی اسی تیسرے عارضہ سے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ سننے والے پر اگر شہوت غالب ہو اور وہ عین بہارِ شباب میں ہو تو اس کو راگ سننا حرام ہے۔ خواہ اس کے دل میں کسی معین شخص کی محبت ہو یا نہ ہو، کیونکہ چاہے وہ کسی حال میں ہو جب زلف و رخسار کے اوصاف اور فراق و وصال کے گیت سنے گا تو اس کی شہوت متحرک ہوگی اور وہ ان الفاظ کو کسی معین شکل پر ڈھالے گا، جس کو شیطان اس کے دل میں پھونک دے گا۔ اس طرح شہوت کی آگ بھڑک اٹھے

گی۔ یہ شیطان کے لشکر کا تعاون کرنا ہے اور عقل کو جو اللہ کا لشکر ہے، شکست دینا ہے۔ دل میں اللہ کے لشکر یعنی نورِ دانش اور شیطان کے لشکر یعنی شہوت میں ہمیشہ جنگ بپا رہتی ہے۔ بجز اس دل کے جس میں ایک لشکر فتح حاصل کر چکا ہو اور دوسرا بالکل مغلوب ہو گیا ہو، کیونکہ ایسی صورت میں جنگ موقوف ہو جاتی ہے اور اب تو اکثر دل ایسے ہی ہیں جن میں شیطان کی فتح کے جھنڈے نصب ہیں۔ ایسی صورت میں ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ اللہ کے لشکر کی اعانت کی جائے اور اسے ہتھیار مہیا کیے جائیں تا کہ شیطان کا لشکر میدان کو پیٹھ دکھا دے۔ نہ یہ کہ شیطان کے لشکر کی اعانت کی جائے۔ اسے بہت ہتھیار مہیا کیے جائیں۔ اس کی تلواروں کی دھاریں فسان پر رکھ کر تیز کی جائیں۔ اس کی برچھیاں نکیلی کر دی جائیں۔ ایسا کرنے والے لوگوں کو موسیقی کی مجلس سے نکل جانا چاہیے ورنہ اسے طبعی فساد کی وجہ سے موسیقی اور زیادہ نقصان پہنچائے گی۔

پانچواں عارضۂ حرمت یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرض کرو ایک شخص ہے۔ نہ اس پر خدا کی محبت غالب ہے کہ راگ اسے اچھا معلوم ہو اور نہ اس پر شہوت غالب ہے کہ راگ اس کے حق میں ممنوع ہو۔ اس شخص کے حق میں سماع اگرچہ مباح ہے لیکن اگر ایک گناہ گار اسے ہمیشہ کے لیے عادت بنا لے گا اور اپنا اکثر وقت اسی میں صرف کرے گا تو بھی احمق ہے، جس کی گواہی مقبول نہ ہو گی اس لیے کہ لہو و لعب پر مواظبت گناہ ہے۔ جس طرح گناہ صغیرہ بار بار کے اعادہ سے کبیرہ ہو جاتا ہے، اسی طرح مباح بار بار کے اعادہ سے گناہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً حبشیوں کے ساتھ لگے پھرنا اور ہمیشہ ان کے کھیل تماشے دیکھنا ممنوع ہے۔ اگرچہ اس کی اصل ممنوع نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے بھی یہ تماشا دیکھا ہے۔ اسی طرح شطرنج کھیلنا مباح ہے، لیکن ہمیشہ کھیلنا سخت مکروہ ہے۔ مباح اس لیے ہوتا ہے کہ کچھ دیر کے لیے اس سے شغل کر کے طبیعت کو آرام اور سکون دیا جائے اس لیے نہیں کہ سارا وقت ہی اس کی نذر کر دیا جائے۔ بعض اوقات مباح ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً ہو سکتا ہے کہ دل کو راحت پہنچانا ہی اس کا علاج ہو تا کہ تھوڑا سستا کر باقی وقت دنیا کے کاموں میں جدوجہد کرے۔ کاروبارِ تجارت میں مشغول ہو یا دینی کاموں میں وقت گزارے۔ بہت سی مشقت میں

کھیل کو یوں سمجھنا چاہیے، جیسے رخسار پر تل ہوتا ہے۔ اگر چہ وہ سیاہ ہوتا ہے مگر حسن میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے اور اگر رخسار تلوں سے اس قدر بھر جائے کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہے تو رخسار بہت بدصورت اور مکروہ ہو جائے گا۔ جو چیز پہلے قلیل ہونے کی صورت میں باعثِ حسن تھی وہی اب کثیر ہونے کی صورت میں بدصورتی ہو گئی۔ یہ بات نہیں کہ جس چیز کی قلیل مقدار اچھی ہو اس کی کثیر مقدار بھی اچھی ہی رہے یا جو چیز تھوڑی مقدار میں مباح ہے وہ زیادہ مقدار میں بھی مباح رہے، بلکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز اپنی کثرت کے باعث کراہیت بلکہ حرمت تک پہنچ جاتی ہے۔ مثلاً روٹی مباح ہے لیکن کثرت سے کھانا حرام ہے، تو سماع بھی دوسرے مباحات کی طرح ہے کہ کبھی کا کوئی مضائقہ نہیں، لیکن روزمرہ کا معمول بنالینا مکروہ و ممنوع ہے۔

اب آپ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ جب سماع بعض حالات میں مباح ہے اور بعض میں مباح نہیں تو ہم نے اسے مباح مطلق کیوں کہہ دیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حکمت کا اطلاق اس تفصیل میں ممنوع ہے جو خود اس شے میں دوسرے عوارضات کے بغیر پائی جائے اور جو تفصیل عوارض کے سبب سے پیدا ہوئی ہو تو اس میں مطلق بیان کر دینا ممنوع نہیں۔ دیکھیے اگر کوئی ہم سے سوال کرے کہ شہد حلال ہے یا نہیں تو ہم کہیں گے یہ حلالِ مطلق ہے حالانکہ وہ اس گرم مزاج والے پر حرام ہے۔ جس کے لیے یہ مضر ہو اور اگر کوئی ہم سے شراب کا حال پوچھے تو ہم یہی کہیں گے کہ وہ حرام ہے حالانکہ وہ اس شخص کے حق میں حلال ہے جس کے گلے میں لقمہ اٹک جائے اور اسے نیچے اتارنے کی کوئی دوسری چیز اس کے پاس نہ ہو، لیکن اس وجہ سے کہ وہ شراب ہے مطلق ہے صرف حاجت کے لحاظ سے حلال ہوئی اور شہد اس اعتبار سے کہ وہ شہد ہے حلال ہے۔ حرام صرف ضرر عارض کرنے سے ہو جاتا ہے اور جو بات عارض کی وجہ سے ہوتی ہے تو عارض کا کوئی اعتبار نہیں مثلاً بیع حلال ہے لیکن اگر جمعہ کی اذان ہو جائے تو حرام ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دوسرے عوارض سے حرمت ہو سکتی ہے، مگر ان پر التفات نہیں کیا جا سکتا۔ پس موسیقی کا بھی یہی حال ہے۔ اگر عوارضات کے بغیر دیکھو تو مطلق مباح ہے اور اس کی حرمت صرف امرِ خارجی سے ہو جاتی ہے جو

اس کی حقیقت ذاتی میں داخل نہیں۔ پس جب کہ دلیلِ اباحت کی وضاحت ہوگئی تو اب ہمیں اس شخص کی پروا نہیں جو دلیل واضح ہو جانے کے بعد بھی ہٹ دھرمی سے کام لے۔ اور امام شافعی کا تو مذہب ہی نہیں کہ گانے کو حرام کہیں اور انھوں نے یہ تصریح کی ہے کہ جو آدمی موسیقی کو پیشہ بنالے اس کی گواہی درست نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس قسم کا مکروہ ہوگا جو باطل کے مشابہ ہو اور جو ایسے امر کو پیشہ بنائے گا تو سفاہت اور بے مروتی کی طرف منسوب ہوگا۔ ویسے اگر کوئی موسیقار کبھی کبھی گا کر اپنے اور دوسروں کے دل کو خوش کرتا ہے تو یہ امر نہ مروت کو ساقط کرتا ہے نہ اس کی گواہی باطل ہوتی ہے اور امام شافعی نے اسی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں دو لڑکیوں کے گانے اور دف بجانے کا ذکر ہے۔

یونس بن عبدالاعلی کہتے ہیں ''میں نے امام شافعی سے پوچھا کہ اہل مدینہ راگ کو مباح سمجھتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے۔'' تو آپ نے فرمایا ''علمائے حجاز میں سے میرے علم کے مطابق کسی نے بھی راگ کو حرام نہیں کہا۔ ہاں بعض نے اس راگ کو حرام کہا ہے جو اوصاف کے بارے میں ہو، مگر حدی، منازل اور ان کے آثار کا شعروں کے نغمات کی طرح گانا مباح ہے۔''

اور یہ جو امام صاحب نے کہا کہ ''یہ مکروہ کھیل ہے جو باطل سے مشابہت رکھتا ہے'' تو ان کا اسے کھیل کہنا درست ہے، مگر کھیل بحیثیت کھیل ہونے کے تو حرام نہیں۔ چنانچہ حبشیوں کے کرتب اور ان کا رقص بھی تو ایک کھیل تھا، حالانکہ اسے نبی ﷺ نے دیکھا اور اس سے منع نہیں فرمایا، بلکہ کھیل کے اگر یہ معنی لیے جائیں کہ ''ہر ایسا کام جس میں کوئی فائدہ نہ ہو کھیل ہے'' تو ہم کہتے ہیں اس پر اللہ بھی مواخذہ نہیں کرے گا۔ مثلاً اگر کوئی آدمی اپنے لیے یہ وظیفہ مقرر کر لے کہ روزانہ سو مرتبہ اپنا ہاتھ سر پر رکھے گا تو حرکت اگرچہ بے فائدہ اور عبث ہے مگر اللہ اسے اس کی سزا نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْ اَیْمَانِکُمْ '' تو جب کسی چیز کا عزم کیے بغیر خدا کی قسم کھالینے پر مواخذہ نہیں تو یہ شعر اور رقص پر مواخذہ کیسے ہوسکتا ہے۔

اور یہ جو امام شافعی نے کہا کہ یہ باطل کے مشابہ ہے تو اس سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی، اس لیے کہ باطل اس کو کہتے ہیں جس میں فائدہ نہ ہو۔ تو فقط اتنا ثابت ہوگا کہ اس میں کوئی

فائدہ نہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے میں نے اپنے آپ کو تیرے ہاتھوں بیچ دیا اور وہ جواب دے میں نے خرید لیا تو اس معاملہ کو باطل کہا جائے گا، بشرطیکہ مقصود دل لگی اور مذاق ہو، تو کیا یہاں ''باطل'' کے لفظ سے حرام کے معنی مراد لیے جائیں گے۔ ہرگز نہیں۔ ہاں اگر اس معاملہ سے وہ شخص اس کے حقیقی معنی مراد لے لے اور اپنے آپ کو مملوک ٹھہرا لے تو حرام ہو گا کیونکہ شریعت نے اس سے منع کر دیا ہے۔

اور یہ جو امام صاحب نے کہہ دیا کہ مکروہ ہے تو اس کی کراہیت انہی عوارضات کی وجہ سے ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ یا کراہت سے کراہت تنزیہی مراد ہو گی، جیسے انھوں نے شطرنج کھیلنے کی تصریح فرما دی ہے اور یہ بھی کہا کہ ''میں ہر ایک کھیل کو مکروہ سمجھتا ہوں'' اور انھوں نے جو علت بیان کی ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان کا اشارہ کراہت تنزیہی کی طرف ہے یعنی آپ نے وجہ کراہت یہ بیان کی۔ یہ امر دینداروں اور اہل مروت کی عادت کے خلاف ہے اور راگ پر مواظبت کرنے سے جو آپ نے گواہی رد کرنے کا ارشاد کیا تو اس سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ شہادت تو اس آدمی کی بھی فقہاء نے رد کرنے کو لکھا ہے جو بازار میں چلتے ہوئے کوئی چیز کھائے۔ اسی طرح نوربا، مباح ہے مگر اسے اہل مروت کا پیشہ نہیں سمجھا جاتا۔

غرضیکہ بیانِ علت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کراہت سے کراہت تنزیہی مراد لی ہے۔ گمان غالب یہی ہے کہ دوسرے ائمہ نے بھی اسے مکروہ تنزیہی کہا ہو گا اور اگر انھوں نے مکروہ تحریمی کہا ہے تو ہم نے جو دلائل دیے ہیں، وہ ان کا جواب ہیں۔

OOO

موسیقی کی حرمت کے دلائل اور اُن کا تجزیہ

اب ہم ان لوگوں کے دلائل نقل کریں گے جو راگ کو حرام کہتے ہیں اور ساتھ ساتھ ان دلائل کے جوابات بھی لکھتے جائیں گے۔

قائلین حرمت کی پہلی دلیل یہ ہے کہ کتاب اللہ میں ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْث   اور کچھ لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے

ابن مسعود، حسن بصری اور ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ لہوالحدیث موسیقی ہے اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰه تعالیٰ حرم القینة وبیعها وثمنها و تعلیمها (۴۴)   اللہ تعالیٰ نے گانے والی لونڈی کو اور اس کی فروخت کو اس کے داموں کو اور اس کی تعلیم کو حرام کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں گانے والی لونڈی سے وہ لونڈی مراد ہے جو شراب کی مجلس میں مردوں کے سامنے گائے اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اجنبی عورت کا ایسے لوگوں کے سامنے گانا جن سے فتنہ کا احتمال ہو اور فاسقوں کے سامنے گانا حرام ہے۔ دوسرے اہل عرب لونڈیوں سے فحش گانے سنتے تھے اور انہی گیتوں کی وجہ سے اس کی قیمت کے گھٹنے بڑھنے کا سوال پیدا ہوتا تھا۔ اگر صرف مالک اس کا گانا سنے تو قائلین حرمت اسے حرام نہیں کہہ سکتے بلکہ مالک کے

سوا دوسرے لوگوں کو بھی اس کا راگ سننا جائز ہے، بشرطیکہ فتنہ کا احتمال نہ ہو۔ ہمارے جواب کی دلیل وہی روایت ہے جس میں خود عائشہؓ دو لڑکیوں کے گانے بجانے کا ذکر کرتی ہیں۔

اور آیت میں جو لہو الحدیث کا خریدنا مذکور ہے تو وہ بدل ہے اس بات سے کہ اگر وہ اس طرح اللہ کی راہ سے لوگوں کو ہٹائے تو واقعی برا ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں، مگر ہر غناء ایسا نہیں کہ دین کے بدلہ میں خریدا جائے اور لوگوں کو خدا کے راستہ سے ہٹائے۔ پس آیۂ مذکور میں ایسے ہی کھیل کی حرمت کا ذکر ہے اور ایک موسیقی پر کیا موقوف ہے۔ اگر کوئی شخص قرآن کو اس نیت سے پڑھے کہ لوگ گمراہ ہوں تو اس کا پڑھنا بھی حرام ہوگا۔ چنانچہ کسی منافق کا ذکر ہے کہ وہ کہیں امام بنا ہوا تھا اور ہمیشہ سورہ عبس پڑھتا تھا، محض اس نقطۂ نظر سے کہ اس میں رسول ﷺ پر عتاب ہے۔ فاروق اعظمؓ نے اس کے اس فعل کو حرام سمجھا اور اس خیال سے اس کے قتل کا ارادہ کیا کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتا تھا۔

پس اگر شعر اور راگ سے بھی یہی مقصود ہو کہ لوگوں کو حق کی راہ سے ہٹایا جائے تو یہ بطریق اولیٰ حرام ہوں گے۔

ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ	کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو
وَلَا تَبْكُوْنَ وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ	اور رونے کی بجائے کھیل کرتے ہو۔

ابن عباس کا قول ہے کہ حمیری لغت میں ''سمد'' کے معنی راگ کے ہیں اور اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس آیت سے غناء کی حرمت ثابت ہوتی ہے تو لازمی ہے کہ ہنسنا بھی حرام ہو اور اگر کہا جائے کہ یہاں ہنسنے سے وہ مخصوص ہنسی مراد ہے جو کفار مسلمانوں سے کرتے تھے تو ہم کہتے ہیں یہاں راگ سے بھی وہ مخصوص راگ مراد ہے جس میں مسلمانوں سے تمسخر اور ان کی ہجو ہو، جیسا کہ اللہ نے فرمایا: وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (اور شاعروں کی اتباع وہی کرتے ہیں جو گمراہ ہوتے ہیں)۔ ظاہر ہے کہ یہاں کفار شعراء کے متعلق کہا گیا۔ یہ نہیں کہا گیا کہ شعر کہنا بنفسہٖ حرام ہے۔

ان کی تیسری دلیل جابر کی روایت ہے، جس میں رسول ﷺ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

کان ابلیس اول من ناح واول من تغنی سب سے پہلے ابلیس نے نوحہ کیا اور راگ گایا

اس روایت میں نوحہ اور غناء دونوں کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نوحہ میں سے ہم نے داؤد علیہ السلام کا نوحہ اور گناہ گاروں کا اپنی خطاؤں پر نوحہ مستثنیٰ کیا تھا۔ اس روایت میں یہ دونوں قسم کے نوحے شامل نہیں کیے جا سکتے۔ اسی طرح وہ راگ بھی مستثنیٰ کیا جائے گا جس سے سرور اور حزن اور مباح چیزوں کی طرف شوق کی تحریک ہوگی، جیسے عید کے روز لڑکیاں گاتی رہیں اور نبی ﷺ سنتے رہے اور جس روز آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو عورتوں نے یہ گیت گایا:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا مَادعا للّٰہ داع

(وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر بدرِ کامل طلوع ہوا۔ ہم پر اس وقت تک شکر کرنا واجب ہوا جب تک دعا کرنے والے دعا کرے)۔

ان کی چوتھی دلیل ابوامامہ کی روایت ہے جس میں رسول ﷺ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

مارفع احد صوتہ بغناء الابعث اللّٰہ لہ شیطانین علیٰ منکبیہ یضربان باعقابہا علیٰ صدرہ ھتی یمسک (۲۵)

آپ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص راگ میں اپنی آواز بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو شیطان اس کے کندھوں پر بٹھا دیتا ہے۔ وہ دونوں اپنی ایڑیاں اس کے سینہ پر اس وقت تک مارتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ خاموش نہ ہو جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت راگ کی بعض خاص اقسام کی طرف اشارہ کرتی ہے، مثلاً وہ اقسام جن سے شیطان محبت کرتا ہو، یعنی جن سے شہوت کی آگ بھڑ کے اور غیر اللہ کا عشق ابھرے اور ایسے راگ کو ہم بھی حرام کہہ چکے ہیں۔ رہے خوشی کے مقامات تو ہم نے ان کی تصریح کر دی ہے کہ ایسے مواقع پر موسیقی جائز ہے اور اس کا جواز ان صحیح احادیث سے ثابت ہوتا

ہے جو ہم نے مجیسین سے نقل کی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جواز ایک جگہ بھی آئے تو اباحت کی تصریح ہو جاتی ہے لیکن نہی ہزار جگہ بھی وارد ہو تو تاویل کی بھی محتمل ہوتی ہے اور تنزیہہ کا احتمال بھی ہوتا ہے، مگر فعل میں کوئی تاویل نہیں کیونکہ جس کا کرنا حرام ہے وہ صرف مجبوری کے عارض ہونے سے حلال ہوتا ہے اور جس کا کرنا مباح ہے وہ بہت سے عوارض سے حرام ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نیت اور عزم کے اختلاف سے بھی حرام ہو جاتا ہے۔

ان کی پانچویں دلیل عقبہ بن عامر کی روایت ہے جس میں رسول ﷺ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

کل شئی یلھوبه الرجل فھو باطل الا تادیبه فرسه رمیه بقوسه وملا علته لاموانه (۲٦)	آپ ﷺ نے فرمایا تو جتنی چیزوں سے کھیلتا ہے وہ باطل ہیں سوائے گھوڑا سکھائے تیر پھینکنے اور اپنی بیوی سے چہل کرنے کے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہم پہلے تصریح کر چکے ہیں، باطل کہنے سے حرمت مقصود نہیں ہوتی بلکہ بے سود اور بے فائدہ کہنا مراد ہوتا ہے اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو ان تینوں میں داخل رہے گا اور حرام نہ ٹھہرے گا اور محصور میں غیر محصور کو قیاس کی بنا پر ملا لیا جاتا ہے جیسا کہ رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

لا یحل دمرا مرئ مسلم الا باحدی ثلث	نہیں حلال خون مسلمان کا مگر تین باتوں میں سے ایک کے سبب یعنی قصاص یا رجم یا ارتداد سے۔

تو اس میں چوتھا پانچواں ملا لیا جاتا ہے۔ بیوی سے چہل کرنا بھی ایسا ہے کہ اس میں لذت کے بغیر اور کوئی چیز مقصود نہیں ہوتی۔ اسی طرح باغوں کی سیر اور پرندوں کے چہچہے سننا اور دوسری کھیلنے کی چیزیں تو ان میں کوئی چیز حرام نہیں، تاہم انہیں باطل کہا جا سکتا ہے۔

ان کی چھٹی دلیل امیر المومنین عثمان غنیؓ کا یہ قول ہے۔ آپؓ نے فرمایا:

ماتغنیت ولا تمنیت ولا مَسَستُ نکری	جب سے میں نے رسول ﷺ کی بیعت کی ہے

بیمینی مذبایعت بھا رسول اللہ — میں نے نہ کبھی گیت گایا نہ جھوٹ بولا نہ اپنے دائیں ہاتھ سے عضو تناسل کو چھوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس قول کو حرمت کی دلیل سمجھا جائے تو چاہیے کہ دائیں ہاتھ سے آلۂ تناسل کو چھونا بھی حرام ہو۔ نہیں تو یہ کیسے ثابت ہوا کہ امیر المومنین غنیؓ جس چیز کو ترک کرتے تھے حرام ہو جاتی تھی۔

ان کی ساتویں دلیل ابن مسعود کا یہ قول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

راگ دل میں نفاق کو اگاتا ہے (بعض نے اس

وزاد بعضهم كما ينبت الماء البقل ورفعه بعضهم الیٰ رسول اللہ ﷺ وهو غير صحيح۔(۲۸) — کے بعد یہ الفاظ بھی روایت کیے، جیسے پانی ترکاری کو اگاتا ہے۔ بعض نے اسے رسول ﷺ تک مرفوع کیا حالانکہ اس کا رفع صحیح نہیں۔

اسی سے ملتی جلتی یہ دلیل بھی نقل کی جاتی ہے کہ کچھ لوگ احرام باندھے ابن عمرؓ کے سامنے سے گزرے۔ ان میں سے ایک شخص گاتا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا: خدا تمہاری دعا نہ سنے۔

انہی ابن عمرؓ سے متعلق ایک اور روایت بھی ہے۔ نافع کہتے ہیں:

كنت مع ابين عمرؓ فی طريق فسمع زمادة راع فوضع اصبعيه فی اذنيه ثم عدل عن الطريق فلم يزل يقول يا نافع اتسمع ذلك حتی قلت لا فاخرج اصبعيه وقال هكذا رأيت رسول اللہ ﷺ (۲۹) — میں ایک مرتبہ ابن عمرؓ کے ساتھ چل رہا تھا۔ آپ نے ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سنی تو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اس راستہ سے دوسری طرف ہو لیے اور مجھ سے پوچھتے جاتے تھے "نافع کیا وہ آواز سنائی دے رہی ہے۔" یہاں تک کہ جب میں نے کہا "اب آواز سنائی نہیں دیتی" تو انھوں نے کانوں سے انگلیاں

نکال لیں اور فرمایا کہ میں نے دیکھا رسولِ خدا ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

اسی طرح فضیل بن عیاضؒ کے اس قول سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا

الغناء رقیة الزنا	راگ زنا کا منتر ہے۔

بعض اکابر کا قول ہے:

الغناء رائد من روادالفجور	راگ بدکاری کا ایلچی ہے۔

یزید بن ابولید کا قول ہے:

ایلکم والغناء فانه ینقص الحیاء ویزید الشهوة ویهدِ م المروءة وانه ینوب عن الخمر ویفعل مایفعل السکرفان کنتم لا بدفاعلین ۔فجنبوه النساء فان الغنا داعیة الزنا۔	راگ سے کنارہ کشی کرو کیونکہ وہ حیا کو کم کرتا ہے شہوت کو بڑھاتا ہے مروت کو گراتا ہے۔ شراب کا قائم مقام ہے اور نشہ کی سی کیفیت طاری کرتا ہے۔ اگر تم سنو بھی تو عورتوں کو اس سے بچاؤ کیونکہ وہ زنا کی طرف بلاتا ہے۔

اب ہم ان تمام اقوال کا جواب دیتے ہیں۔ سب سے پہلے ابن مسعود کا قول لیجیے جس میں راگ کو نفاق کا سبب بتایا گیا ہے۔ یہ قول اصل میں گانے والے کے حق میں ہے کیونکہ اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے لائے اور اپنی آواز سنائے اور وہ لوگوں سے اسی لیے ملتا ہے کہ وہ اس کے راگ کی طرف راغب ہوں اور اس کی موسیقی پر رتیجھیں۔ یہ نفاق کی بات ہے مگر اس سے حرمت کہاں ثابت ہوئی، کیونکہ نفاق اور ریا تو عمدہ پوشاک پہننے، حسین اور مغرور گھوڑے پر سوار ہونے اور اپنی کھیتی اور مال و دولت پر فخر کرنے سے بھی پیدا ہوتے ہیں، لیکن ان چیزوں کو حرام مطلق نہیں کہا جاتا۔ پس نفاق کے ظہور کے لیے نافرمان دل ہی کافی نہیں بلکہ وہ مباحات بھی ہیں جو لوگوں کے دیکھنے کے ہیں، بلکہ جب لوگ دیکھتے ہیں تو دل زیادہ فخر محسوس کرتا ہے۔ پس زیادہ مؤثر چیز یہی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ایک موقع پر فاروقِ اعظمؓ ایک

حسین اور عمدہ چال کے گھوڑے پر سوار ہوئے تو آپ نے دل میں فخر محسوس کیا اور اُتر کر اس کی دُم کاٹ لی۔ پس یہ نفاق مباحات میں سے ہوا۔ مغنّی اگر محض اپنا راگ سنانے کے لیے دوسروں کی خوشامد کرتا ہے تو بے شک راگ اس کے نفاق کا سبب ہے، لیکن اگر وہ اسے اپنا فن سمجھتا ہے اور کسی کی جائز ناجائز خوشامد نہیں کرتا تو منافق نہیں۔ ہاں اگر وہ اپنا راگ لوگوں کو سنا کر فخر محسوس کرتا ہے تو یہ اسی طرح کا فخر ہے جیسا ایک عمدہ پوشاک پہننے والے کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

ابن عمرؓ کا یہ قول کہ ''خدا تیری دعا نہ سنے'' موسیقی کی حرمت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ احرام کی حالت میں تھے اور ایسی بے ہودہ گوئی ان کے شایان شان نہ تھی اور ان کے خیال سے ظاہر تھا کہ ان کا یہ راگ بیت اللہ کی زیارت کا شوق دلانے کے لیے نہ تھا، بلکہ صرف لہو کی خاطر تھا تو آپؓ نے احرام کی حالت میں اس کو ناپسند فرمایا۔ کسی واقعہ کی حکایت میں طرح طرح کے احتمال ہو سکتے ہیں۔

بانسری کی آواز سن کر کانوں میں انگلیاں ڈال لینے کا فعل بھی ایسا تھا جس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ اگر اس کی آواز سننا حرام ہوتا تو وہ نافع کو بھی یہی حکم دیتے حالانکہ نافع برابر وہ آواز سنتے آئے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ آپؓ نے نافع کے بانسری سننے پر ناگواری کا اظہار بھی نہ کیا۔ انھوں نے تو صرف اپنے کانوں کو اس آواز سے بچایا اور وہ بھی شاید اس وجہ سے کہ وہ جس فکر میں تھے بانسری کا نغمہ اس سے غافل کر دیتا۔ ممکن ہے وہ ذکر الٰہی میں ہوں کیونکہ صحابہ ہر وقت ذکر الٰہی میں رہتے تھے اور بانسری اس پاک ذکر میں حارج ہو سکتی تھی۔ اسی طرح نبی ﷺ کا فعل انھوں نے بیان فرمایا۔ یہ نہیں کہا کہ ''مجھے آپ ﷺ نے اسی طرح کرنے کا حکم دیا تھا۔'' اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ اسے حرام نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے فعل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسے ترک کرنا بہتر ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اس کا ترک اکثر حالات میں بہتر ہے بلکہ دنیا کی اکثر مباح اشیاء کا ترک بہتر ہے، بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ وہ دل کو متاثر کر کے بہتر شغل سے دور رکھیں گے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد ابوجہم کا بھیجا ہوا کپڑا اتار ڈالا

تھا جس پر نقش ونگار تھے، چونکہ اس سے نماز میں آپ ﷺ کا خیال کپڑے کی طرف چلا گیا، اس لیے اسے آپؐ نے اتار دینا ہی مناسب سمجھا، تو کیا تم یہ سمجھو گے کہ کپڑے پر نقش ونگار حرام ہیں اس وقت بھی نبیؐ ایسی حالت میں ہوں گے کہ بانسری کی آواز تک مخل ہوتی ہوگی۔ جیسے نقش نے نماز میں حضور کامل نے روکا، بلکہ جن لوگوں کو ہمیشہ حق کی حضوری حاصل ہے، انہیں راگ کے حیلہ سے وہی حالت پیدا کرنے کی کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگرچہ یہ تدبیر غیروں کے لیے کمال ہے۔ اسی لیے حصری نے کہا ''میں اس راگ کو کیا کروں کہ گانے والا مر جائے تو وہ موقوف ہو جائے۔'' اس کا یہ مطلب ہے کہ راگ سنانے والے تو مر جاتے ہیں مگر اللہ کا ذکر تو ہمیشہ کے لیے باقی ہے۔ پس چونکہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ سننے اور دیکھنے کی حالت میں رہتے ہیں، انہیں کسی اور واسطہ سے تحریکِ شوق کی حاجت نہیں ہوتی۔

باقی رہے وہ اقوال جو ہم نے نقل کیے ہیں تو انھیں حرمت کی دلیل کیسے بنایا جاسکتا ہے جب کہ ان کے خلاف سینکڑوں اصفیاء کے اقوال موسیقی کی تعریف میں نقل کیے جاسکتے ہیں۔ دوسرے وہ تمام اقوال فاسقوں اور شہوت پرستوں کی موسیقی کے متعلق ہیں۔ اگر تمام قسم کی موسیقی کا یہی حال ہوتا تو نبی ﷺ کے خانہ اقدس میں دونوں لڑکیوں کا راگ کیوں سنا جاتا۔

یہ تو ان لوگوں کے نقلی دلائل تھے۔ رہے عقلی دلائل تو وہ کہتے ہیں کہ جیسے تار کے باجے حرام ہیں ویسے ہی دوسری موسیقی بھی حرام ہے۔ اس دلیل میں موسیقی اور تار کے باجوں میں مماثلت بیان کی گئی ہے، مگر ان دونوں چیزوں میں بہت فرق ہے۔ اس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اب پھر اس تفصیل کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔

وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ راگ چونکہ لہو ہے، اس لیے حرام ہے۔ ہم کہتے ہیں ویسے تو ساری دنیا لہو ہے۔ دنیا کی تمام چیزیں لہو ہیں۔ فاروق اعظمؓ نے اپنی زوجہ سے فرمایا تھا:

انما انت لعبة فی زاویة البیت — تو گھر کے کونے میں ایک کھلونا ہے۔

اسی طرح وہ ہنسی مذاق بھی جائز ہے جس میں بے حیائی نہ ہو۔ مذاق نبی ﷺ اور صحابہ کرام سے

منقول ہیں۔ جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ایسی روایات باب آفات اللسان (۳۰) جلد سوم میں ملیں گی۔

ویسے حبشیوں کے کھیل سے بڑھ کر کون سا کھیل ہے مگر اس کی اباحت نص سے ہوگئی علاوہ ازیں حقیقت یہ ہے کہ کھیل دل کو راحت دیتا ہے اور بارِ غم کو ہلکا کرتا ہے۔ دلوں سے اگر جبراً کوئی کام لیا جائے تب بھی وہ کام تو دیتے ہیں لیکن اگر انھیں کچھ راحت مل جائے تو کام کے وقت چونکہ دل و دماغ تر و تازہ ہوتے ہیں اس لیے وہ بہت زیادہ کام کرتے ہیں مثلاً طالب علم کو چاہیے کو وہ جمعہ کے روز تعطیل کرے، اس لیے کہ ایک روز کی تعطیل پورے ہفتہ تک کے لیے باعث نشاط ہوتی ہے اور دل اکتاتا نہیں۔ اسی طرح جو شخص نوافل پر مواظبت کرے، اسے چاہیے کہ کسی وقت ستا لے۔ اسی لیے شریعت نے بعض وقت ایسے مقرر کر دیے ہیں کہ ان میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تعطیل دراصل کام کی معاون ہے اور کھیل دماغ کو تر و تازہ کر کے پہلے سے دگنا کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ ہمیشہ کی جدوجہد اور ہر وقت کی جگر کاوی پر صرف انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ ہی صبر کر سکتے ہیں، تو چونکہ کھیل دل کی تھکن اور ماندگی کو دور کرتا ہے اس لیے مباح ہے۔ مگر اس کی کثرت تضیع اوقات ہوگی۔

پس کھیل اگر اس نیت سے اختیار کیا جائے کہ اس سے طبیعت کی اکتاہٹ دور ہوتی ہے تو یہ ثواب ہوگا۔ اسی طرح راگ اگر کسی کے دل میں رغبت حق پیدا نہ کرے اور وہ اسے محض طبیعت کی تھکن دور کرنے کے لیے اختیار کرے تو اس کے لیے راگ مستحب ہونا چاہیے تا کہ اس کے ذریعہ سے وہ منزل پا لے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ یہ امر رتبہ کمال سے فروتر ہے، کیونکہ کامل وہ ہے جسے اپنے نفس کی راحت بھی شغلِ حق میں ملتی ہے، مگر چونکہ ابرار کی نیکیاں مقربین کے لیے خطا کی حیثیت رکھتی ہیں، اس لیے اگر راگ مقربین کے حق میں برا ہو۔ مگر ابرار کے حق میں کار آمد ہے۔ جو شخص علم ''علاج القلوب'' سے واقفیت رکھتا ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسی نافع دواؤں اور لطائف الحیل سے ہی دلوں کو ترقی و عروج کی منازل طے کرائی جاتی ہیں۔

ooo

حواشی

(۱)۔ مقدمہ میں ''فقہاء اور موسیقی'' کے عنوان کے تحت اس بحث کو چھیڑا گیا ہے۔

(۲)۔ ''غنیۃ الطالبین'' میں شیخ عبدالقادر جیلانی نے شطرنج کھیلنا جائز لکھا ہے۔

(۳)۔ یہ روایت شمائل ترمذی میں قتادہ سے منقول ہے۔ ایک جگہ مذکورہ الفاظ کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں۔ ''وکان بینکم حسن الوجه حسن الصوّت" (تمہارے نبی ﷺ حسین چہرے والے اور حسین آواز تھے) لیکن دار قطنی نے کہا کہ یہ الفاظ ثابت نہیں۔

(۴)۔ ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم، فضالہ بن عبید کے طریقہ سے اسے صحیح قرار دیا گیا ہے۔

(۵)۔ ''احیاء علوم الدین'' کے فاضل حاشیہ نگار علامہ زین ابی الفضل عبدالرحیم بن حسین العراقی نے کہا کہ مجھے یہ روایت کہیں نہیں ملی۔

(۶)۔ متفق علیہ

(۷)۔ ایسی تمام روایات کو ہم نے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ وہاں ان روایات کے متعلق محدثین کی آراء بھی لکھی گئی ہیں اور پوری وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ محدثین ان تمام روایات کو ضعیف اور ناقابل حجت ٹھہراتے ہیں۔ مصنف رحمت اللہ کی یہ وسیع النظری آپ ہر قدم پر ملاحظہ کریں گے کہ وہ مخالفین کی ضعیف روایتوں کو بھی ضعیف قرار نہیں دیتے بلکہ ان کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۸)۔ متفق علیہ

(۹)۔ حدیث انشاد الشعر بین یدی رسول اللہ ﷺ متفق علیہ ہے۔ مسلم شریف میں عائشہؓ کی روایت سے حسانؓ کے اشعار بھی نقل کیے گئے ہیں۔ اسی طرح بخاری شریف میں ابن ابی رواحہ کے اشعار بھی ملتے ہیں۔

(۱۰)۔ ابی بن کعب کی سند ہے۔ یہ روایت بخاری شریف میں موجود ہے۔

(۱۱)۔ مصنف رحمۃ اللہ نے صحیحین کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی ہے حالانکہ اصل حدیث اور اشعار بخاری میں ہیں، مسلم میں کہیں نہیں۔

(۱۲)۔ مصنف مرحوم نے دونوں اشعار کے متعلق کہا ہے کہ وہ صحیحین میں موجود ہیں حالانکہ پہلا شعر عروہ کی روایت سے قصہ ہجرت کے تحت صرف بخاری نے نقل کیا ہے۔ دوسرا شعر بھی بخاری میں ہے مگر وہاں ''عیش'' کی بجائے ''اجر'' کا لفظ لکھا ہے۔ صحیحین میں دوسرا شعر یوں ہے اللہ لا خیر الآ خیر الآخرہ۔فانصرنا الانصار والمهاجره۔ یہ شعر وزن میں درست نہیں بعض جگہ ''فانصر'' کی بجائے ''فبارک'' ''فاغفر'' اور ''فاکرم'' کے

الفاظ لکھے ہیں۔

(ii)۔ بخاری نے تعلیقاً اور ترمذی، ابوداؤد اور حاکم نے متصلاً روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح اور حاکم نے صحیح الاسناد کہا ہے۔

(۱۳)۔ بغوی نے یہ واقعہ ''معجم الصحابہ'' میں نقل کیا ہے اور ابن عبدالبر نے ''الاستیعاب'' میں۔

(۱۴)۔ ترمذی نے جابر بن سمرہ سے یہ روایت نقل کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔ مصنف مرحوم نے عائشہ صدیقہؓ کا حوالہ دیا ہے۔ معلوم نہیں انھوں نے کون سی کتاب میں اسے دیکھا۔

(۱۵)۔ رواہ مسلم

(۱۶)۔ رواہ ابوداؤد الطیالسی۔ انجشہ کے قصہ میں شیخین بھی متفق ہیں لیکن انھوں نے براء بن مالک کا نام نہیں لیا۔

(۱۷)۔ نوحہ سے نعت کی حدیث متفق علیہ ہے۔

(۱۸)۔ مسلم نے ابوہریرہؓ کے واسطہ سے یہ روایت نقل کی ہے مگر ''امنایا بنی ارفدۃ'' کی بجائے وعـم یـا عمرؓ (اے عمرؓ

انہیں چھوڑ دے) کے الفاظ ملتے ہیں۔ ام المومنین عائشہؓ کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں ''دونکم یابنی ارفدہ'' (اے بنوارفدہ جاری رکھو)۔ اسے مصنف نے بعد میں بیان کیا ہے۔

(۱۹)۔ رواہ مسلم

(۲۰)۔ مسلم میں یہ روایت انہی اسناد سے مروی ہے۔ بخاری میں عمر بن الحرث کی بجائے اوزاعی نے ابن شہاب سے یہی کچھ روایت کیا ہے۔

(۲۱)۔ صحیحین

(۲۲)۔ رواہ ابوداؤد باسناد صحیح

(۲۳)۔ رواہ ابن حبان

(۲۴)۔ اس روایت کو طبرانی نے ضعیف اسناد سے اوسط میں روایت کیا۔ بیہقی نے کہا یہ حدیث خلل سے محفوظ نہیں۔

(۲۵)۔ جابر سے اس کی اصل کہیں نہیں ملی۔ صاحب ''فردوس'' نے اسے ذکر کیا ہے مگر اس کے لڑکے نے اپنی مسند میں اس کا ذکر نہیں کیا۔

(۲۶)۔ ابن ابی الدنیا نے باب ''ذم الملاہی'' میں اور طبرانی نے ''کبیر'' میں یہ روایت نقل کی ہے مگر روایت ضعیف ہے۔

(۲۷)۔ اصحاب سنن اربعہ نے اسے نقل کیا ہے اور اس کی سند مضطرب ہے۔

(۲۸)۔ بیہقی نے اسے مرفوعاً اور موقوفاً روایت کیا ہے مگر اس کا رفع نہیں کیونکہ اس میں ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا۔

(۲۹)۔ ابوداؤد نے یہ روایت نقل کی ہے اور اسے منکر کہا ہے۔

(۳۰)۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی تمام روایات ''احیاء علوم الدین'' جلد سوم باب آفات اللسان میں ذکر کی ہیں۔

ooo

دوسرا باب

موسیقی کے اثرات و آداب

موسیقی کے درجات میں سے پہلا درجہ یہ ہے کہ جو سنا جائے اسے سمجھا جائے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسے سمجھ کر اس پر وجد طاری ہو۔ تیسرا درجہ ہے وجد کے اثرات سے اعضاء کا متحرک ہونا۔ اب ہم ان تینوں درجات کو الگ الگ فصول میں بیان کریں گے۔

فصلِ اوّل.....................سُننا اور سمجھنا

سُننے والوں کی چار کیفیات ہوتی ہیں:

پہلی کیفیت یہ ہے کہ موسیقی سننا صرف طبعی ہو: یعنی بجز نغمات والحان کی لذت کے سماع سے اور کوئی دلچسپی نہ رکھتا ہو۔ یہ سننا مباح ہے، مگر ادنیٰ مرتبہ ہے کیونکہ اس باب میں تو اونٹ اور بہائم بھی اس کے شریک ہیں، بلکہ اس ذوق کے لیے تو صرف زندگی چاہیے۔ ہر زندہ حیوان کو حسین و دل کش آواز سے لذت ملتی ہے۔

دوسری کیفیت یہ ہے کہ راگ کو سنے اور سمجھے، مگر گیت کے مضمون کو کسی معین یا غیر معین شخص پر منطبق کرتا جائے۔ یہ حالت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو شہوت پرستی کے مرض میں مبتلا ہوں۔ یہ کیفیت بھی قابل ذکر نہیں۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ایسے لوگوں کو موسیقی سے کنارہ کشی

اختیار کرنی چاہیے۔

تیسری حالت یہ ہے کہ جو کچھ سنے اسے اپنے حال پر منطبق کرے یعنی روحانی مدارج کے سلسلہ میں اللہ کی محبت کے جو مدارج آتے ہیں، انہی پر گیت کے مضمون کو ڈھالے۔ گیتوں کے مضامین کو تعذر پر ڈھالا جا سکتا ہے، بعض کو تمکن پر۔ یہ سماع مریدوں کا اور خصوصاً مبتدیوں کا ہے، کیونکہ مرید کا مقصود خدا کی معرفت اور مشاہدۂ باطنی ہے اور موسیقی اس کی منزل مقصود کے لیے ایک راستہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ گیتوں میں جب عتاب و خطاب، قبول ورد، وصل و ہجر، قرب وبُعد، تاسفِ مافات واشتیاقِ متوقعہ، انتظارِ محبوب وخوفِ رقیب، ایفائے عہد و وعدہ شکنی، اشک افشانی وسرگرانی وغیرہ کے مضامین آتے ہیں تو ان میں سے بعض مرید کے حالات کے موافق ہوتے ہیں۔ وہ انھیں سنتا ہے تو دل میں شوق اس طرح بھڑک اٹھتا ہے جیسے چقماق سے آگ شعلہ زن ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ ان الفاظ سے وہی مفہوم مراد لے جو شاعر نے لیے تھے۔ کلام کئی صورتوں پر محمول ہو سکتا ہے اور ہر ذی فہم اس سے اپنی فہم کے مطابق معنی لے سکتا ہے۔

اب ہم کچھ ایسی مثالیں لکھتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے الفاظ سے کس طرح اپنی فہم کے مطابق معانی سمجھے تا کہ کوئی جاہل یہ گمان نہ کرے کہ جن شعروں میں زلف ورخسار کے قصائد ہوں تو ہر حال میں ان سے ظاہری معانی ہی مراد لیے جاتے ہیں۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں کہ اشعار میں خاص الفاظ کے مفہوم متعین کرنے کی کوشش کریں۔ صرف موسیقی سننے والوں کی حکایات کافی ہیں۔

کہتے ہیں کسی صوفی نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا:

قال الرسول غداتزو　　　فَقُلْتُ تعقل ماتقول

(مجھے ایلچی نے کہا کل تم سے محبوب ملے گی۔ میں نے کہا کیا تو سوچ سمجھ کر یہ بات کہہ رہا ہے یعنی مجھے پیام وصل پر اعتبار نہ آیا)۔

اسی پر اسے وجد آ گیا اور وہ پہلا مصرعہ بار بار پڑھنے لگے اور تزور (صیغۂ مخاطب) کی

بجائے نزور (صیغۂ جمع متکلم) کہنے لگا۔ وہ پڑھتا رہا حتیٰ کہ شدتِ سرور سے بے ہوش ہوگیا۔ جب ہوش میں آیا تو سبب پوچھنے پر اس نے کہا: مجھے رسولِ خداؐ کا یہ ارشاد یاد آ گیا:

ان اهل الجنه يزورون ربهم فی	بے شک اہلِ جنت ہر جمعہ کو اپنے رب کی زیارت
كل يوم جمعة مرة(ا)	ایک مرتبہ کریں گے۔

رقی نے امین دراج سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ''میں اور ابن فوطی بصرہ اور ابلہ کے درمیان وجلہ کے کنارے جا رہے تھے۔ اتنے میں ایک خوبصورت محل نظر آیا۔ برآمدہ میں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے لونڈی یہ شعر گا رہی تھی:

كل يوم تتلون؟ غير هذابك احسن

(ہر روز تیرا سلوک بدل جاتا ہے۔ کیا تجھے اس کے سوا اور بھی کچھ زیبا ہے؟)

اتفاقاً ایک جوانِ رعنا گدڑی پہنے، ڈول ہاتھ میں لیے آیا۔ اس کے کان میں یہ آواز پڑی تو کہا:

''تجھے قسم ہے خدا کی اور اپنے آقا کی زندگی کی یہ شعر ایک مرتبہ دہرا دے۔'' لونڈی نے وہی شعر دوبارہ پڑھا تو کہا ''واللہ! میرے حال کا تلون یہی ہے۔'' پھر ایک چیخ ماری اور گر کر جاں بحق ہوگیا۔

ہم نے کہا اب تو ہم پر یہ فریضہ عائد ہوگیا کہ اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کریں۔ چنانچہ ہم ٹھہر گئے۔ مالک نے لونڈی سے کہا ''تجھے میں نے اللہ کے لیے آزاد کیا۔'' پھر اہلِ بصرہ آئے اور انھوں نے مردہ نوجوان کی نماز جنازہ پڑھی۔ نماز کے بعد مالک مکان نے کہا ''تم گواہ رہو کہ میری تمام چیزیں مع محل وقف ہیں۔ میری تمام لونڈیاں آزاد ہیں۔ پھر اس نے اپنے کپڑے اتار دیے اور ایک تہ بند باندھ کر ایک چادر بدن پر ڈال لی اور چلا گیا۔ لوگ اشکوں بھری آنکھوں سے اُسے جاتا ہوا دیکھتے رہے۔ پھر اس کا کوئی حال معلوم نہ ہوا کہ وہ کہاں چلا گیا۔''

مطلب یہ ہے کہ وہ نوجوان عشقِ خداوندی سے معمور تھا، لیکن وہ معاملۂ محبت میں اپنے

آپ کو ثابت قدم نہ سمجھتا تھا۔ ہر وقت اسے یہ فکر رہتی تھی کہ میرے عشق کی کیفیات تغیر پذیر ہیں۔ جب اس کے مطابق حال شعر پڑھا گیا تو اسے خیال آیا گویا اللہ اس سے مخاطب ہے کہ "تیرا عشق بھی کیا عشق ہے کہ ہر روز بدلتا ہے۔"

جس شخص کا سماع من اللہ، علی اللہ اور فی اللہ ہو اسے چاہیے کہ اللہ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل کرے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ کی طرف ایسی صفت منسوب کر بیٹھے جس سے وہ کافر ہو جائے۔ مثلاً اسی شعر میں اگر اپنے آپ کو متکلم سمجھے اور اللہ کو مخاطب کرے تو کافر ہو جائے گا۔ ایسی غلطیاں اکثر جہالت سے ہوتی ہیں جن میں تحقیق کا مادہ ہوتا ہی نہیں، مگر کبھی کبھی ان میں ایک گونہ تحقیق کی آمیزش بھی ہوتی ہے۔ مثلاً اپنے حالات کا بدلنا بلکہ تمام عالم کا متغیر ہونا خدا کی طرف سے جانے تو اس میں اس قدر صحیح ہو گا کہ خدا تعالیٰ کبھی انسان کا دل کشادہ کرتا ہے، کبھی تنگ۔ کبھی اس میں نور بھرتا ہے اور کبھی ظلمت، کبھی اسے سخت کرتا ہے کبھی نرم، کبھی اسے اپنی اطاعت پر مستحکم کر دیتا ہے اور کبھی اس پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے اور جس شخص سے اوقات قریبہ میں مختلف افعال سرزد ہوا کرتے ہیں، اسے غیر مستقل اور متلون مزاج کہتے ہیں، اس لیے یہ اللہ پر تو صادق نہیں آتا کیونکہ اس کی ذات میں کوئی تغیر نہیں۔ دوسری چیزوں کو وہ ضرور بدلتا ہے۔ یہ علم مرید کو اعتقادِ تقلیدی سے حاصل ہوتا ہے، مگر عارف کو کشفِ حقیقی سے اور یہ وصف اللہ ہی کے لیے مختص ہے کہ وہ دوسروں کو بدل دیتا ہے، مگر اس کی اپنی ذات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی حالانکہ اور لوگ جو دوسروں کو بدلتے ہیں، خود بھی بدل جاتے ہیں۔ بعض لوگوں پر ایسا حال غالب ہوتا ہے کہ وہ مدہوش ہو جاتے ہیں اور ان کی زبان اللہ کے ساتھ عتاب پر کھلتی ہے۔ وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ اس نے دل کو اپنا مطیع بنا رکھا ہے اور احوال مختلف ہیں کہ صدیقین کے دلوں کو صفائی اور حضوری بخشی۔ منکروں اور مغروروں کے دلوں کو دوری و مہجوری دی، مگر اس کی دی ہوئی چیز کو کوئی روکنے والا نہیں اور اس کی روکی ہوئی چیز کو کوئی دینے والا نہیں۔ کفار سے جو توفیق منقطع ہو گئی تو کسی سابق گناہ کی وجہ سے نہیں اور انبیاء کو جو توفیقِ ایزدی اور نورِ ہدایت سے مدد ملی تو کسی پچھلی نیکی کی وجہ سے

نہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرسَلِيْنَ	اور پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے مرسل بندوں کے حق

میں۔دوسری جگہ فرمایا:

لکن حق القول منی لا ملئن جهنم من الجِنَّةِ وَالناسِ اَجْمَعِينَ۔	لیکن ٹھیک ہوئی میری بات کہ مجھے اکٹھے جنوں اور انسانوں سے دوزخ بھرنا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

اَنّ الذين سبقت لهم مِنا الْحُسنیٰ اولئك عَنهَا مُبْعَدُوْنَ	جن کو آگے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اس سے (دوزخ) سے دور رہیں گے۔

اب اگر تمہارے دل میں یہ اندیشہ گزرے کہ اللہ نے اگر تقدیر پہلے سے مقرر کر رکھی تھی تو کیوں بندوں کی تقدیروں میں اختلاف ہوا۔کیوں کسی کو نیک اور کسی کو بد ٹھہرایا،تو تمھیں سراپردہ جلال سے للکارا جائے گا کہ خبردار!حدِ ادب سے باہر قدم نہ نکالوں۔یہ وہ ذات پاک ہے جس کی شان یہ ہے کہ

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ اس سے پوچھا نہ جائے جو وہ کرے۔

اصل یہ ہے کہ زبان سے ظاہری آداب تو اکثر لوگ ملحوظ رکھتے ہیں مگر دلوں میں بہت کچھ بھرا ہوتا ہے۔کوئی ہمیشہ شقی اور راندۂ درگاہ ہی رہتا ہے اور کوئی سعید اور مقبولِ بارگاہ ہوتا ہے۔سماع پر بجز راسخ علماء کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا،اسی لیے جب کسی نے خواب میں خضر علیہ السلام سے سماع کے متعلق پوچھا تو انھوں نے جواب دیا''وہ پاکیزہ ہے مگر علماء کے سوا کسی کے اس پر قدم نہیں جمتے''۔راگ دلوں کے مخفی اسرار کو تحریک دیتا ہے اور جیسے نشہ میں چُور آدمی دل کی تمام باتیں ظاہر کر دیتا ہے،اسی طرح راگ بھی مدہوش کرتا ہے اور ممکن ہے کہ جس کے دل میں ادب نہ ہو وہ زبان سے بھی گستاخی کی باتیں کرنے لگے۔اسی لیے کسی نے کہا کاش!موسیقی سے ہم اس طرح بچ جائیں کہ نہ ثواب ہو نہ عذاب۔پس جو شخص دل کا خام ہو اس کے لیے سماع شہوت پرست کے

سماع سے بھی بدتر ہے، کیونکہ شہوت پرست تو زیادہ سے زیادہ مرتکب معاصی ہوسکتا ہے لیکن ایسا شخص کلماتِ کفر بھی زبان پر لاسکتا ہے۔

اب یہ بات سمجھ لیجئے کہ موسیقی سن کر سمجھنے والے بھی حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں حتیٰ کہ ایک ہی شعر سے جب دو سننے والے وجد میں آتے ہیں تو ایک کسی اور مفہوم کی وجہ سے اور دوسرا کسی اور مفہوم کے باعث۔

عتبہ غلام سے مروی ہے کہ انھوں نے کسی کو گاتے سنا:

سبحان جبار السّما　　ان المحب لفی عنا

(اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور عاشق رنج میں مبتلا رہتا ہے)۔

تو کہا ''سچ کہتا ہے۔'' ایک اور شخص نے سنا تو کہا ''جھوٹ کہتا ہے''۔ کسی صاحب فکر نے کہا ''دونوں درست کہتے ہیں کیونکہ پہلا خیال اس عاشق کا ہے جو محبوب کے انکار سے مبتلائے غم ہے اور دوسرا خیال اس عاشق کا ہے جو محبوب کے دیے ہوئے غم کو بھی اپنے لیے نعمت سمجھتا ہے یا ایسے عاشق کا خیال ہے جو اس وقت تک کامران و بامراد ہو اور مستقبل کے متعلق بھی مطمئن ہو۔

ابوالقاسم بن مروان جو ابوسعید خراز کی صحبت میں رہتے تھے اور جنھوں نے برسوں سے موسیقی سننا چھوڑ رکھا تھا۔ ان کی حکایت ہے کہ وہ کسی دعوت میں گئے۔ وہاں ایک شخص کو یہ گاتے سنا۔

وقف الماء عطشا۔۔۔ن ولکن لیس لیسقی

(پانی پر پیاسا کھڑا لیکن وہ مجھے نہیں پلاتا)۔

برلب جو تشنہ لب استادہ ام　　جام از دستش نمی یابم ہنوز

اس پر حاضرین وجد کرنے لگے۔ جب ان کا وجد ختم ہوا تو ابوالقاسم نے شعر کا مطلب پوچھا۔ کہنے لگے ''ہم نے یہ مطلب سمجھا کہ ہم کیفیات جمال کے پیاسے ہیں۔ سامان موجود ہے لیکن پھر بھی محروم ہیں۔''

انھوں نے کہا ''یہ غلط ہے۔ میں نے اس کا یہ مفہوم سمجھا کہ احوال و کیفیات تم پر طاری

ہیں۔ کرامات مل گئی ہیں۔ مگر اصل حقیقت سے بہرہ ور نہیں ہوئے۔" اشارہ ہے کہ حقیقت احوال وکرامات سے بھی آگے ہے۔ پس یہاں سے تم سمجھ لو گے کہ دونوں مفہوم صحیح ہیں۔ دوسرے لوگوں نے اپنی حالت کی وضاحت کی اور ابوالقاسم نے اپنا حال بیان کیا۔ غرضیکہ ہر ایک نے شعر کو اپنے حال کے مطابق ڈھالا۔

شبلیؒ اکثر اس مضمون کے شعر پر وجد کیا کرتے تھے:

وداد کم هجرو حکیم قلی　　وو صلکم حرم و سلمکم حراب

(تیری الفت تیرا ہجر ہے، تیری محبت تیری عداوت ہے، تیرا وصل تیرا فراق ہے اور تیری صلح تیری جنگ ہے)۔

اس شعر کو مختلف معانی پہنائے جاسکتے ہیں جن میں سے بعض غلط ہیں اور بعض صحیح۔ ظاہر تر معنی یہ ہیں کہ دنیا کا یہ حال ہے کہ وہ دغاباز اور فریبی ہے۔ باطن کی دشمن اور ظاہر کی دوست ہے۔ اپنے جڑے ہوئے رشتوں کو خود ہی قطع کرتی اور اپنی اٹھائی ہوئی عمارتوں کو خود ہی گراتی ہے۔ کسی کے پاس یہ ہمیشہ نہیں رہتی۔ جسے خوش کرتی اور ہنساتی ہے پھر اس کو رلاتی بھی ہے۔ حدیث شریف میں بھی دنیا کے انقلاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ شبلی نے دنیا کے متعلق بہت خوب کہا تھا:

تنح عن الدنیا فلا تخطبنها　　ولا تحظبن قتالة من تتاكح

لقد قال الوصفون فاكثروا　　وعندی لها وصف لعمروصالح

سلاف قصارا معازعاف ومركب　　شهی اذا استذ للته فهواجامح

وشخص جميل يوثرالناس حسنه　　ولكن له اسرار سوء قبائح

(دنیا سے بھاگ اور اس سے نسبت کا خیال نہ کر۔ جو بیوی اپنے خاوند کی قاتلہ ہو اسے نکاح کا پیغام نہ دے۔ اس سے خوف زیادہ ہے اور امیدیں قلیل ہیں۔ اس کے قصیدہ خوانوں نے اس کی بڑی تعریفیں کی ہیں لیکن مجھے اپنی زندگی کی قسم اس کے لیے اس سے بہتر تشبیہ کوئی نہیں جو میں بیان کرتا ہوں۔ دنیا بادۂ گلگوں ہے مگر اس کا خمار ذلت کی موت ہے۔ یہ ایک بادپا گھوڑا ہے مگر

اس پر سوار ہو جاؤ تو بدلگام ہو جاتا ہے۔ یہ وہ ماہ پارہ ہے جس کا حسن مردم فریب ہے لیکن اس کے باطن میں طرح طرح کی خباثتیں بھری ہوئی ہیں)۔

غرضیکہ مذکورۃ الصدر شعر کے سب مضامین دنیا پر بھی منطبق ہو سکتے ہیں اور خدا کے حقوق ادا کرنے میں نفس انسانی کا بھی یہی حال ہے کیونکہ اس کی معرفت جہالت ہے۔ اللہ نے فرمایا: وَ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ 'اور اس کی اطاعت ریا ہے کیونکہ صحیح معنوں میں خدا سے نہیں ڈرتا اور اطاعت کے حق ادا نہیں کرتا اور اس کی محبت بھی غیر مقبول ہے کیونکہ اللہ کی محبت میں شہوت ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتا ہے اسے نفس کی ان کمزوریوں سے واقف کر دیتا ہے۔ وہ اس شعر کو اپنے مطابق حال سمجھتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت	میں تیری تعریفوں کا احاطہ نہیں کر سکتا کیونکہ
علی انفسك (۳)	تیری ثنا کرنا ایسا ہے جیسے تو نے اپنی ذات کی ثنا کی۔

صلحاء اپنے نفس کی کمزوریوں سے واقف ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ عوام سے بہت اونچے ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔

انی لا ستغفر فی الیوم واللیلة	میں اللہ سے رات دن میں ستر مرتبہ استغفار
سبعین مرة	کرتا ہوں۔

آپ ﷺ کا استغفار اس وجہ سے تھا کہ آپ ﷺ ہر وقت مقامات واحوال کی منازل طے فرماتے اور ہر لحظہ مدارج عالیہ اپنے مقامات سے بعید سمجھ کر اللہ کی مغفرت طلب کرتے تھے، حالانکہ وہ اس وقت بھی مدارج عالیہ کی ان انتہائی بلندیوں پر تھے، جن پر نہ کبھی کوئی پہنچا نہ پہنچے گا۔ ازل سے ابد تک کوئی ان مراتب کو نہیں پاسکتا۔ مگر قرب وبُعد امور اضافی ہیں۔ کوئی قرب ایسا نہیں کہ اس کے بعد اور قرب نہ ہو۔

ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے (اقبال)

ہر قرب اور قریب ہونے کا تقاضا کرتا ہے:

اے برادر بے نہایت در گہے است ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

تیسرے معنی یہ ہیں کہ اپنے احوال کی ابتداء کو دیکھ کر ان پر راضی ہو اور انھیں پسند کرے مگر انجام پر نظر کرے اور اگلے مقام کو دیکھے تو پچھلے درجہ کو حقیر سمجھے۔ یعنی ہر درجہ میں اپنے درجات کی کمی محسوس کرے تو اس امر کو خدا کی طرف سے سمجھ کر جب یہ شعر سنے تو اسے تقدیر الٰہی کی شکایت کے معنی پہنائے تو یہ کفر ہے۔

چوتھی حالت ان لوگوں کی موسیقی ہے جو احوال و مقامات سے آگے گزر چکے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ محبت الٰہی میں اس قدر ڈوب گئے کہ اپنی جان کو بھی بھول گئے۔ ان کی حالت ان لوگوں کی طرح ہے جو بحر شہود کے غوّاص ہوں اور مدہوش ہو جائیں۔ ایسے لوگوں کی حالت ان عورتوں کی سی ہے جنھوں نے حسن یوسف کی جلوہ طرازیاں دیکھیں تو اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں، یہاں تک کہ ان پر دہشت طاری ہو گئی اور ان کا احساس ساقط ہو گیا۔ صوفیاء ایسی حالت کو فنائی النفس سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی اپنی خودی سے جاتے رہنا اور جب کوئی شخص اپنے نفس کو بھی بھول جائے تو دوسروں کو بدرجہ اولیٰ بھول جائے گا۔ اس حالت میں وہ بجز ذات واحد مشہود کے تمام چیزوں سے غافل ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مشاہدہ کو بھی بھول جاتا ہے، کیونکہ دل اگر مشاہدہ کی طرف التفات کرے گا۔ تو وہ اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو گا اور سمجھے گا کہ میں مشاہدہ کر رہا ہوں۔ جب اس کی نادرمیان میں آئے گی تو مشہود سے غافل ہو جائے گا۔ حق یہ ہے کہ عاشقان مشہود کو مشاہدہ سے سروکار نہیں رہتا۔ جیسے کوئی شخص جب مرئی چیزوں کو دیکھنے میں منہمک ہو جاتا ہے تو اسے اپنے مشاہدہ اور خود اپنی ذات تک کی خبر نہیں رہتی۔ اسی طرح متوالے کو اپنے نشہ کی خبر نہیں ہوتی اور نہ لذت پانے والے کو لذت پانے کی طرف توجہ ہوتی ہے بلکہ جس سے اسے لذت حاصل ہوتی ہے اس کی توجہ صرف اسی کی طرف رہتی ہے۔ تو جو شخص کسی چیز کا عالم ہے، پس جب اسے اپنے عالم ہونے کا علم ہو گا تو وہ اس چیز سے اعراض کرنے والا سمجھا جائے گا۔ فناعن النفس کی حالت کبھی مخلوق کو مشہود بنا کر طاری ہوتی ہے اور کبھی خدا کو مشہود بنا کر لیکن اکثر یہ برق خاطف کی ایک نمود

ثابت ہوتی ہے، جو ہمیشہ قائم نہیں رہتی۔ اگر یہ ہمیشہ قائم رہے تو اس کے تحمل کی تاب قوتِ بشری میں نہیں بلکہ بعض اوقات روحِ انسانی میں ایسا اضطراب پیدا ہوتا ہے کہ انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ابوالحسن ثوری کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ایک مجلسِ سماع میں موجود تھے کہ یہ شعر سنا:

مازلت انزل من ودادك منزلا تخیرالالباب عندنزوله

(تیری الفت ہمیشہ مجھے ایسی بلند منزل پر پہنچا دیتی ہے کہ وہاں سے اترتے وقت عقلیں متحیر ہو جاتی ہیں)۔

سنتے ہی اٹھے اور وجد میں آ کر جدھر منہ آیا چل دیے۔ اتفاقاً ایک جنگل میں پہنچے کہ بانس کاٹے گئے تھے اور ان کی جڑیں تیز دھار کھڑی تھیں۔ انہی پر دوڑتے رہے۔ پاؤں لہولہان ہو گئے۔ دوسری صبح تک وہی شعر پڑھتے رہے اور دوڑتے رہے۔ یہاں تک کہ پنڈلیاں ورم کر گئیں۔ اس کے بعد چند روز زندہ رہ کر فوت ہو گئے۔ یہ وجد صدیقوں کا درجہ ہے اور یہ سب درجات سے اعلیٰ ہے، کیونکہ کمال اس کا نام ہے کہ اپنے نفس اور احوال کو بھول جائے اور موسیقی کو للہ، باللہ، فی اللہ اور من اللہ سنے اور یہ رتبہ اس شخص کا ہے جو ساحلِ احوال واعمال سے گزر کر بحرِ حقیقت کی شناوری کرے اور اس میں خودی کا نام ونشان نہ رہے۔ ہمارا مقصد فنائے جسم نہیں بلکہ فنائے دل ہے اور دل سے وہ گوشت کا لوتھڑا مراد نہیں بلکہ وہ سرِ لطیف مراد ہے جسے اس گوشت کے لوتھڑے سے ایک مخفی تعلق ہے۔ اس کے بعد سرِ روح ہے جو خدائے عز وجل کا امر ہے کہ جو اسے جانتا ہے۔ وہ اس کی قدر پہچانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ اس کی قدر کیسے پہچانے جس کی یاد بھی اس سرِ روحانی میں موجود رہو، وہی اس کا وجود بنتا ہے۔ جب اس میں اللہ کے سوا کوئی اور موجود ہو گا تو اس میں اسی کا وجود رہے گا کسی اور کا وجود نہیں آ سکتا۔ اس کی مثال جلا والے آئینہ کی سی ہے کہ بذاتِ خود اس میں کوئی رنگ نہیں ہوتا بلکہ جو چیز اس کے اندر قرار پائے وہ اسی کے رنگ سے رنگین ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ ہی ایسا ہے کہ تمام رنگوں کو قبول کر سکتا ہے۔ اور سرِ قلب کی حقیقت بھی باطنی چیز ہے۔ گویا سرِ قلب اور محبوب ایک دوسرے میں اس طرح سما جاتے ہیں کہ ایک کو دیکھو تو دوسرا نظر آتا

ہے۔ کسی شاعر نے محسوس تشبیہ سے اسی حقیقت کو واضح کیا ہے:

رق الزجاج ورقة الجمر　　فتشابهافتشاكل الامر

فكا نما خمر ولا قدح　　وكانما قدح ولا خمر

(صہبا اور آبگینہ کی ایک جیسی شکل ہے اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ دیکھو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو شراب ہی منجمد پڑی ہے۔ آبگینہ کا وجود ہی نہیں اور آبگینہ ہی ہے شراب کا نام ونشان تک نہیں)۔

یہ امر علوم مکاشفہ کے ان مقامات میں سے ہے، جن سے بعض لوگوں نے حلول واتحادِ ذات کا دعویٰ کر کے ''انا الحق'' کہہ دیا۔ نصاریٰ کا بھی یہی خیال ہے کہ عالم لاہوت وناسوت متحد ہیں اور ایک کا لباس دوسرا ہے یا ایک کا حلول دوسرے میں ہوگیا۔ یہ ان کی غلطی ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص آئینہ میں سرخ رنگ کا عکس دیکھے تو آئینہ کو سرخ کہہ دے اور یہ نہ سمجھے کہ یہ رنگ آئینہ کا نہیں بلکہ اس چیز کا ہے جو آئینہ کے سامنے ہے۔ چونکہ یہ بحث ہمارے موضوع سے متعلق نہیں اس لیے ہم اسے چھوڑ کر اصل بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

فصل دوم...... ....وجد

وجد کیا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس میں صوفیاء وحکماء مختلف الرائے ہیں۔ ہم دونوں قسم کے اقوال نقل کر کے پھر اپنی تحقیق درج کریں گے۔ سب سے پہلے صوفیاء کے اقوال کو لیجئے:

ذوالنون مصری فرماتے ہیں ''سماع حق کا دارد ہے۔ یہ دلوں کو حق کے لیے متحرک کرتا ہے۔ جو اسے حق کے لیے سنے حق پرست ہے اور جو نفس کے لیے سنے وہ زندیق ہے'' یعنی ان کے نزدیک وجد حق کی طرف میلان کا دوسرا نام ہے۔

ابوالحسین درّاج کہتے ہیں ''وجد اس حالت کا نام ہے جو موسیقی سن کر پیدا ہو۔ سماع مجھے ایک پُر رونق میدان میں لے گیا۔ وہاں میں نے ابرِ رحمت کی گہر باری دیکھی اور عطا وبخشش کا سمندر دیکھا تو وجد میں آ گیا۔ وجد نے مجھے جام صفا پلایا جس سے میں نے رضا کے مراتب

حاصل کیے اور وجد نے مجھے ایک گلستانِ رنگ و بو کی سیر کرائی جس کی فضا نزہت آفرین تھی۔"

شبلیؒ نے فرمایا "موسیقی ظاہر میں فتنہ اور باطن میں عبرت ہے۔ پس جو کوئی لطائف غیبی کو پہچانے اسے اس کا سننا حلال ہے وگرنہ وہ فتنہ کا خواستگار ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا چاہتا ہے۔"

بعض اکابر کہتے ہیں "موسیقی روح کی غذا ہے۔ اس سے سرِ روحانی متاثر ہوتا ہے جو باریک اور رقیق ہے اور اس کے لیے لازمی ہے کہ طبیعت میں رقت ہو۔ جو اس کے اہل ہیں وہ اسے بہت ہی شفاف اور لطیف سمجھتے ہیں۔ یہ بجز سرِ قلبی کی صفائی کے کسی طرح حاصل نہیں ہوتا۔"

عمرو بن عثمان مکی فرماتے ہیں "وجد کی حقیقی کیفیت لفظوں میں بیان نہیں کی جا سکتی، اس لیے کہ وہ مومنین صادقین کی عبادت کے وقت کا لطیف راز ہے۔"

بعض بزرگ کہتے ہیں "وجد حق کی راہ میں حاصل ہونے والے مکاشفات کا نام ہے۔" ابوسعید بن اعرابی کہتے ہیں "وجد ہے حجاب کا اٹھنا اور باہمی انس اور وجد امور غائبہ کی تحقیق کا پہلا سبب ہے۔ جب سالک وجد کا مزہ چکھتے ہیں تو وہ نورِ حق کا نظارہ کرتے ہیں اور انھیں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ نفس کے علائق اور دنیاوی اسباب کا تعلق وجد کا مانع ہوتا ہے، کیونکہ نفس پر دنیاوی علائق حجاب کی طرح پڑے ہوتے ہیں۔ پس جب اسباب منقطع ہو جائیں تو ذکرِ خالص سے دل بیدار ہوتا ہے اور اس قدر شفاف ہو جاتا ہے کہ نصیحت اس پر اثر کرتی ہے۔ تب وہ مناجات کے ایک انوکھے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں ادھر سے خطاب ہوتا ہے۔ پس اگر وہ خطاب کو گوشِ ہوش، دلِ حاضر اور سرِ ظاہر سے سنے اور جو بات پہلے اس میں نہ تھی اب اس کا مشاہدہ کرے تو اس کا نام وجد ہے، کیونکہ جو چیز پہلے معدوم تھی اب موجود ہو گئی۔"

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: "وجد اس حالت کو کہتے ہیں جو مندرجہ ذیل مواقع پر طاری ہو: ذکرِ محرک کے وقت، خوفِ شدید کے وقت، لغزش پر توبیخ کرنے کے وقت، یا کوئی لطیفہ کہنے، کسی فائدہ کی طرف اشارہ کرنے، غائب کے دیدار کا مشتاق ہونے، گم شدہ چیز پر افسوس کرنے، گذشتہ

افعال پر نادم ہونے، کسی 'حال' کی طرف رجوع کرنے، کسی واجب کی طرف مائل ہونے یا سرِ قلبی سے سرگوشی کرنے کے وقت۔ اور وجد کی کیفیت یہ ہے کہ ظاہر کو ظاہر، باطن کو باطن، غیب کو غیب، راز کو راز اور مقدر میں لکھے ہوئے فوائد کو ضرر کے بدلے میں پیدا کرتا ہے تاکہ اس معاملہ میں بندے کی کوشش بھی تقدیر میں لکھ جائے اور اسی کی جانب سے شمار ہو۔ اس طرح بغیر ذکر کیے ذکر شمار ہوگا، کیونکہ شروع میں نعمت دینے والا وہی کفیلِ مطلق تھا تو اب بھی جب تمام ذمہ داری اسی کو سونپی جائے گی تو پھر وہی کفیل ہو جائے گا۔"

یہ وجد کے معاملہ میں صوفیاء کے اقوال ہیں۔ اب حکما کے اقوال سنئے:

بعض کہتے ہیں "پہلے پہل اک فضیلت تھی جسے قوتِ نطق لفظوں کے ذریعہ ادا نہ کرسکی۔ پس اس کو نفس نے نغموں کے ذریعہ سے باہر نکالا اور جب وہ ظاہر ہوئی تو نفس اپنی کامرانی پر خوش ہوا اور طرب میں آ گیا۔ پس نفس سے سنا کرو۔ اسی سے سرگوشی کیا کرو۔ ظاہری دعا کو چھوڑ دو۔"

بعض کہتے ہیں "سماع کا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے عاجز مستعد ہو جاتا ہے اور جو فکر سے خالی ہو اسے فکر حاصل ہوتی ہے۔ جس کی فہم کند ہو اس کی فہم تیز ہو جاتی ہے۔ جو تھک گیا ہو وہ تر و تازہ ہو جائے۔ جو میلا ہو وہ صاف ہو جائے۔ اس کی رائے اور عزم میں بجلیاں بھر جائیں۔ وہ کہے تو خطا نہ ہو اور کام کرے تو تاخیر سے نہ کرے۔"

ایک اور حکیم کا قول ہے "جیسے عقل علم کے راستے معلوم کی طرف لے جاتی ہے۔ اسی طرح دل سے عالم روحانی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔"

کسی حکیم سے سوال ہوا کہ نغموں کے وزن اور گت پر ہاتھ پاؤں بالطبع کیوں ہل جاتا ہیں تو اس نے کہا "عشق عقلی اس بات کا محتاج نہیں کہ اپنے محبوب سے زبان کے ساتھ ہی باتیں کرے بلکہ وہ سرگوشی، تبسم، غمزہ، ابرو اور اشارۂ چشم سے گفتگو کرنا بھی جانتا ہے۔ یہ تمام چیزیں باتیں کیا کرتی ہیں مگر روحانی زبان میں۔ سوائے عقل کے انہیں اور کوئی چیز نہیں سمجھ سکتی، جو عاشق، حقیقی عاشق نہیں ہوتے وہی اپنی زبان استعمال کرتے ہیں تاکہ اپنے شوقِ ضعیف اور کھوٹے عشق کو

زبان دعووں سے ملمع کر دیں۔"

ایک حکیم کا قول ہے "جو شخص غمگین ہو اسے موسیقی کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اس لیے کہ نفس پر جب غم آتا ہے تو اس کا نور بجھ جاتا ہے اور جب وہ خوش ہوتا ہے تو اس کا نور مشتعل ہو جاتا ہے۔ پس موسیقی اس کے نفس کا نور روشن کر دے گی۔"

حق یہ ہے کہ اس طرح کے اقوال بہت زیادہ ہیں لیکن ہم انھیں بخوف طوالت حذف کرتے ہیں اور اپنی تحقیق درج کرتے ہیں۔

اصل میں وجد اس حالت کا نام ہے جو موسیقی کا نتیجہ ہوتی ہے یعنی وہ نئی حالت جو موسیقی سننے والا موسیقی سننے کے بعد اپنے نفس میں محسوس کرتا ہے۔ اور یہ حالت دو قسم کی ہوتی ہے یا تو موسیقی کا انجام مشاہدات و مکاشفات ہے جنھیں ایک علم کہا جا سکتا ہے اور یا اس کا نتیجہ تغیر احوال ہے جسے علم نہیں کہہ سکتے۔ یعنی شوق، خوف، غم، نشاط، افسوس و ندامت یا بسط و قبض وغیرہ۔ موسیقی ان احوال کو یا تو جوش میں لاتی ہے یا قوی کر دیتی ہے۔ پس اگر موسیقی ایسی غیر مؤثر ہو کہ نہ بدن کو حرکت دے اور نہ خلاف عادت گردن ہلنے لگے نہ اور کسی قسم کی حالت بدلے تو ہم اس پہلے کی طرح کی حالت کو وجد نہیں کہیں گے۔ وجد صرف اسی وقت کہا جائے گا جب بدن پر اس کا اثر ظاہر ہوگا۔ اور یہ اثر جس قدر رہوگا اسی مقدار کو دیکھ کر وجد کو قوی یا ضعیف کہہ سکیں گے۔

یہ ضروری نہیں کہ موسیقی ایسی چیز کا انکشاف کرے جو پہلے غیر منکشف ہو، اس لیے کہ کشف کے کئی اسباب ہیں۔ ان میں سے پہلا سبب تنبیہ ہے اور موسیقی تنبیہ کرنے والی ہے۔ دوسرا سبب تغیر احوال اور ان کا مشاہدہ و ادراک ہے کیونکہ ادراک سے ایسی باتیں واضح ہو جاتی ہیں جو پہلے معلوم نہیں ہوتیں۔ تیسرا سبب دل کی صفائی ہے اور موسیقی دل کو صاف کرتی ہے۔ چوتھا سبب قوت ہے اور موسیقی انسان میں قوت بھر دیتی ہے۔ جیسے اونٹ موسیقی سے مست ہو کر اتنا بوجھ اٹھا سکتا ہے جسے وہ پہلے نہیں اٹھا سکتا۔ چونکہ دل کا عمل کشف ہوتا ہے اور وہ اسرار ملکوت ملاحظہ کرتا ہے، پس جب دل قوی ہوگا تو اس کا عمل بھی زیادہ ہوگا، جیسے اونٹ کا دل قوی

ہوجاتا ہے تو اس کا عمل بھی زیادہ ہوگا، جیسے اونٹ کا دل قوی ہوجاتا ہے تو اس کا عمل وسیع ہوتا ہے۔ پس انہی اسباب کے ذریعہ سے موسیقی کشف کا موجب ہوتی ہے۔ کشف میں بعض اوقات حقیقت مجسم ہوکر سامنے آجاتی ہے یا شعر بن کر کانوں میں داخل ہوتی ہے۔ یہ اگر بیداری میں ہوتو اسے ہاتف کی آواز کہتے ہیں اور اگر نیند کی حالت میں ہوتو خواب کہتے ہیں اور یہ نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے کہ امر حق اس طرح آدمی پر واضح ہوجائے۔ تجربہ شاہد ہے کہ صلحاء کو اس قسم کے معاملات پیش آتے ہیں۔ چنانچہ محمد بن مسروق بغدادی کہتے ہیں کہ ''جن دنوں میں جاہل تھا ایک رات نشہ سے چور یہ شعر گاتا ہوا باہر نکلا:

بطور سیناء کرم مامررت به الا تعجبت ممن یشرب الماء

(جب میں طور سینا پر گزر کرتا ہوں تو ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو پانی پیتے ہیں)۔

اتنے میں کسی کی آواز آئی:

دفی جھنم ماء ماتجرعہ — کلق فابقی لہ فی الجوف امعاء

(دوزخ میں وہ پانی ہے کہ اگر کوئی اسے ایک مرتبہ پی لے تو وہ اس کی آنتیں گلادے۔

''یہی آواز تھی جس نے مجھے ہدایت کے رستہ پر لگادیا)۔

اسی سے سمجھ لیا جاسکتا ہے کہ راگ نے اس کے دل کی صفائی پر کس طرح اثر کیا کہ حقیقت جہنم کی صفت میں ڈھل کر اس کے کانوں میں پڑی۔

مسلم عبادانی کہتے ہیں کہ'' ہمارے پاس ایک مرتبہ صالح، عتبہ غلام، عبدالواحد بن زید اور مسلم اسواری تشریف لائے۔ جب کھانا سامنے آیا تو کسی نے غیب سے پکار کر یہ شعر پڑھا

تلھیك عن دارلخلود مطاعم — دولذۃ نفس غیھا غیر نافع

(تمہیں کھانے کے لطف میں عاقبت بھول گئی اور یاد رکھو لذت نفس انجامِ کار فائدہ نہیں دے سکے گی)۔

اسے سنتے ہی عتبہ غلام چیخ مار کر بے ہوش ہوگئے اور ہم تمام بیٹھ کر آنسو بہانے لگے۔ کسی

نے ایک لقمہ بھی نہ کھایا۔جس طرح قلب کی صفائی صدائے ہاتف بن کر سنائی دیتی ہے اسی طرح بعض اوقات خضر کی صورت میں مجسم ہو کر سامنے آجاتی ہے۔اہل دل کے سامنے مختلف تصویریں آتی ہیں۔کبھی تو خضر کی حقیقی تصویر ہوتی ہے اور کبھی ایسی تصویر جو اس سے ملتی جلتی ہو۔اسی طرح فرشتے بھی مجسم ہو کر سامنے آتے ہیں۔نبی ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصل صورت میں دیکھا۔وَھُوَ بالا فق الا علیٰ اور ولقد راٰہ نَزْلَۃً اُخرىٰ ۔ان دونوں آیتوں میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ایسے ہی حالات میں ولی کو دوسروں کے دلوں کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنورالله۔(۴)	مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

کہتے ہیں کوئی یہودی مسلمانوں کے پاس جاتا اور اس حدیث کا مطلب پوچھتا۔وہ اسے مطلب بتا دیتے مگر اس کی تشفی نہ ہوتی۔ایک دفعہ وہ کسی صاف باطن صوفی کے پاس گیا اور حدیث کا مطلب پوچھا۔انھوں نے کہا''اس کے یہ معنی ہیں کہ جو زنار تیرے کپڑوں کے اندر تیری کمر سے بندھا ہے اُسے توڑ ڈال۔''یہودی نے کہا''بے شک اب میں مطلب سمجھ گیا''اور وہ مسلمان ہو گیا۔

اسی طرح ابراہیم خواص کہتے ہیں کہ''میں جامع بغداد میں چند درویشوں کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک جوان ظریف خوشبو سے معطر آیا۔میں نے اپنے دوستوں سے کہا''مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص یہودی ہے۔''سب کو میری بات بری معلوم ہوئی۔آخر میں باہر چلا آیا۔اس شخص نے درویشوں کے پاس جا کر پوچھا۔''شیخ نے میرے متعلق کیا کہا تھا۔''انھوں نے بتانے میں تامل کیا،مگر اس کے اصرار پر آخر بتا دیا۔پھر وہ شخص میرے پاس آیا اور میرے ہاتھوں پر سر جھکایا اور پھر مسلمان ہو گیا۔اس نے مجھے کہا''ہم نے اپنی کتابوں میں یہ لکھا دیکھا کہ صدیق کی فراست خطا نہیں کرتی،تو میں نے سوچا کہ مسلمانوں کا امتحان لوں۔پس جب کسی نے مجھے نہ

پہچانا تو خیال ہوا کہ اگر کوئی صدیق ہوگا تو وہ درویشوں میں ہوگا۔ میں یہاں آیا تو آپ نے مجھے پہچان لیا۔'' کہتے ہیں وہ نوجوان بعد میں مشہور صوفی ہوا۔

اس حدیث میں بھی اسی طرح کے کشف کی طرف اشارہ ہے:

لولا ان الشیاطین یحومون علیٰ قلوب بنی آدم لنظر وا الی ملکوت السماء — اگر شیطان انسانوں کے دلوں کے گرد نہ گھومتے ہوتے تو انسان آسمان کے ملکوت دیکھ لیتے۔

اور شیطانوں کا دورہ دلوں پر اسی وقت ہوتا ہے جب وہ رذائل اخلاق سے بھرے ہوئے ہوں اور جو شخص اپنے دل کو آلائشوں سے صاف کرے تو شیطان اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اللہ کا ارشاد ہے:

اِنّ عبادی لیس لك علیهم سُلطان — جو میرے بندے ہیں تجھے ان پر کوئی زور نہیں۔

ذوالنون مصری بغداد میں داخل ہوئے۔ ان کے پاس کچھ صوفی جمع ہوئے جن کے ساتھ ایک قوال تھا۔ اس نے یہ اشعار گائے:

صغیر هواك عذ بنی — فکیف به اذااحتنکا
وانت جمعت فی قلبی — هویٰ قدکان مشترکا
اماترثی لمکتئب — اذاضحك الخلی بکیٰ

(تیری ذرا سی خواہش نے مجھے عذاب میں ڈال دیا ہے۔ اگر یہ بڑھ گئی تو نہ جانے کیا غضب ڈھائے گی۔ محبت تو تیرے اور میرے دل میں مشترک ہونی چاہیے تھی مگر تو نے اسے صرف میرے دل میں جمع کر دیا۔ تجھے اس اداس دل پر رحم نہ آیا جس کا قہقہہ بھی ایک فریاد ہے)۔

ذوالنون اسے سن کر کھڑے ہوئے اور پھر منہ کے بل گر پڑے۔ پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا۔ آپ نے فرمایا الذی یرك حین تقوم (جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اٹھتا ہے)۔ وہ شخص بیٹھ گیا۔ انھیں اس کے دل کا حال معلوم ہو گیا تھا کہ یہ تکلف سے وجد کرے گا اس لیے اسے جتا دیا کہ جب وہ دکھاوے کے لیے اٹھتا ہے تو اللہ اسے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اگر وہ مرد سچا ہوتا تو ہر گز نہ بیٹھتا۔

غرضیکہ وجد کا انجام یہ ہوا کہ وجد یا مکاشفہ ہوتا ہے یا ''حال''۔اب ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ کہ افاقہ کے بعد اسے بیان کر سکیں۔ ایک وہ کہ اسے بیان نہ کر سکیں۔شاید تم اس امر کو بعید از قیاس سمجھو کہ وہ حال کیسا ہوا اور وہ علم کیسا ہوا جس کی کیفیت بیان نہ کی جا سکے؟ اصل میں یہ بعید از قیاس نہیں کیونکہ اس کی نظریں تمہیں اپنے حالات میں مل سکتی ہیں۔علم کی مثال یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک فقیہ کے سامنے دو مسئلے پیش ہوئے جو ایک ہی صورت کے تھے۔ وہ اپنے ذہن میں ان دونوں کا فرق سمجھتا ہے لیکن بیان نہیں کر سکتا، چاہے وہ کیسا ہی فصیح و بلیغ کیوں نہ ہو۔اصل میں وہ معانی اس قدر دقیق ہوتے ہیں کہ الفاظ انہیں ادا نہیں کر سکتے۔حال کی مثال یہ ہے کہ اکثر آدمی بعض اوقات پریشان یا مسرور ہوتے ہیں، مگر پریشانی یا مسرت کا سبب بیان نہیں کر سکتے۔کبھی کبھی ایسی عجیب حالت طاری ہوتی ہے کہ نہ اسے سرور کہہ سکتے ہیں نہ حزن اور نہ کوئی اور ایسا لفظ ملتا ہے جو اس حالت کی ترجمانی کر سکے بلکہ شعر کا ذوق بھی کسی میں ہوتا ہے کسی میں نہیں ہوتا۔ اب جو شخص وزن سے واقف نہیں اسے کس طرح سمجھایا جا سکتا ہے کہ یہ شعر زحاف والا ہے۔اسی طرح نفس میں ایسے عجیب و غریب احوال ہیں کہ ان کی کیفیت کے اظہار کے لیے الفاظ کافی نہیں۔تاروں کے باجے اور دوسرے بے الفاظ نغمے نفس پر عجیب کیفیت طاری کر دیتے ہیں۔انھیں شوق کا نام دیا جاتا ہے، مگر یہ طرفہ شوق ہے کہ جس کا شوق ہے اس کا حال مشتاق کو معلوم نہیں۔یہ کیفیت عوام پر اور ان لوگوں پر بھی گزرتی ہے جن کے دل میں کسی قسم کی محبت نہیں ہوتی۔اس کا ایک راز یہ ہے کہ ہر شوق کے دو رکن ہوتے ہیں۔ ایک رکن تو یہ ہے کہ مشتاق کو ایک گونہ اس سے نسبت ہو۔ دوسرا رکن ہے اس کی صورت پہچاننا۔ جس کا شوق ہوا اگر اس کی طرف جانے کا راستہ معلوم ہوتا تب تو ظاہر ہے کہ شوق میں اضطراب کا پیدا ہونا بعید نہیں۔اگر شوق تو ہو مگر اس کا علم نہ ہو جس کا شوق ہے تو جس وقت شوق متحرک ہوگا، انسان متحیر ہو جائے گا کہ وہ کیا کرے۔مثلاً ایک شخص اس طرح پرورش پائے کہ نہ تو اس نے عورت دیکھی ہو نہ جماع کی لذت سے واقف ہو۔پھر جب اس پر شہوت غالب ہوگی تو اپنے نفس میں

شہوت کی آگ معلوم کرے گا مگر یہ نہ سمجھے گا کہ یہ اشتیاق جماع کا ہے، کیونکہ جماع اور عورت کے لفظ بھی اس کے کانوں میں نہیں پہنچے۔ اسی طرح ہر انسان میں شوق کی صفت موجود ہے یعنی اسے ملاءِ اعلیٰ سے تعلق ہے اور جن لذات کا وعدہ اس سے سدرۃ المنتہیٰ اور فردوسِ بریں میں ہوا ہے انہی چیزوں کا اسے شوق ہے، لیکن ان چیزوں کے اس نے صرف نام سنے ہیں۔ اپنی جہالت اور دنیاوی علائق میں مقید ہونے کی وجہ سے وہ اپنے پروردگار کو بھول گیا ہے اور اسے اپنا ٹھکانا یاد نہیں رہا۔ پس اگر اس جگہ کا شوق ابھرتا ہے تو اسے وہ جگہ یاد نہیں آتی، اس لیے مدہوش، متحیر اور مضطرب ہو جاتا ہے اور اس شخص کی طرح ہوتا ہے جس کے گلے میں پھانسی کا پھندا پڑا ہو اور اسے معلوم نہ ہو کہ وہ کس طرح اس مصیبت سے نجات پا سکتا ہے۔ غرضیکہ اس طرح کے حالات کی پوری حقیقت بیان نہیں ہو سکتی۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ وجد دو طرح کا ہے۔ ایک وہ جو الفاظ میں بیان ہو سکے اور ایک وہ جو الفاظ میں بیان نہ ہو سکے۔ اسی طرح وجد دو طرح سے طاری ہوتا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ خود بخود دل کی طرف ہجوم کرتا ہے۔ دوسرے وہ کہ بہ تکلف وارد کیا جاتا ہے۔ اس دوسری صورت کو "تواجد" کہتے ہیں۔ اس تواجد کا اگر یہ مقصد ہو کہ دکھاوے کے لیے وجد کرے تاکہ لوگ اسے بھی صوفی سمجھنے لگیں تب تو بہت برا ہے۔ اور اگر اس سے یہ مقصد ہو کہ ممکن ہے اس تدبیر سے اسے مقام مل جائے تو یہ احسن ہے۔ اس لیے سرورِ کائنات نے تلاوتِ قرآن کے ضمن میں فرمایا۔

من لم یحضره البکاء فی قرأة القرآن	جس شخص کو تلاوتِ قرآن میں رونا نہ آئے وہ رونی
ان یتباکی ویتحازن	صورت بنائے اور بہ تکلف غم کرے (۵)۔

کیونکہ یہ احوال اگرچہ ابتداء میں بہ تکلف کیے جاتے ہیں لیکن انجام کار یہ اصل میں ہونے لگتے ہیں۔ اس کا انکار نہیں ہو سکتا، کیونکہ جو شخص قرآن یاد کرتا ہے پہلے وہ بہ تکلف اسے پڑھتا ہے اور سوچ سوچ کر پڑھتا ہے، مگر پھر اس طرح نوکِ زبان ہو جاتا ہے کہ وہ بغیر سوچے اسے پڑھ لیتا ہے اور نماز وغیرہ میں غفلت کی حالت میں سورت صحیح پڑھ لیتا ہے۔ کاتب پہلے بہ تکلف لکھتا ہے مگر

جب مشق ہوجاتی ہے تو لکھنا اس کی سرشت میں داخل ہوجاتا ہے اور وہ صفحوں کے صفحے لکھ جاتا ہے حالانکہ اس کا دل کسی اور چیز پر سوچ رہا ہوتا ہے۔

پس وہ تمام چیزیں کہ اعضاء اور نفس جن کے متحمل ہوسکتے ہیں، پہلے بہ تکلف کی جاتی ہیں۔ بعد میں وہ عادت بن جاتی ہیں اور یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں چیز فلاں آدمی کی ''عادت خامسہ'' (عام طور پر عادتِ ثانیہ یا طبیعت ثانیہ کہا جاتا ہے لیکن یہاں طبع سے مراد عنصر ہے) ہوگئی ہے تو اس سے بھی یہی مراد ہے۔ اسی طرح احوال ہیں۔ اگر وہ نفس میں نہیں پائے جاتے تو مایوسی کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہ موسیقی یا اس جیسی دوسری چیزوں سے پیدا کیے جاسکتے ہیں، کیونکہ عام طور دیکھا گیا ہے کہ جو شخص کسی دوسرے پر عاشق ہونا چاہتا ہے اگر محبت کی چنگاری یک بیک نہیں چمکتی تو وہ بہ تکلف محبت کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے اخلاقی صفات کی تعریف کرتا رہتا ہے اور اسے محبت کی نظر سے دیکھتا رہتا ہے۔ پھر اچانک اس کے دل میں حقیقی محبت پیدا ہوجاتی ہے اور عشق اس کے دل میں اس طرح جاگزیں ہوتا ہے کہ نکالنا چاہو تو نکل نہیں سکتا۔ اسی طرح وجد کے لیے بھی تواجد کام دے سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی انسان میں نیک صفات نہ ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ انھیں اپنانے کی کوشش کرے اور صالح لوگوں کے پاس بیٹھا کرے۔ ان کی صفات کو اپنانے کی کوشش کرے اور موسیقی سننے میں ان کے ساتھ شریک ہو اور دعا کرے تاکہ اللہ وہی حالت اسے بھی مرحمت فرمائے کیونکہ صحبت کا اثر انسانی دلوں پر ضرور ہوتا ہے، جس کے پاس انسان بیٹھے اس کی صفات دل میں سرایت کر جاتی ہیں:

صحبتِ صالح ترا صالح کند   صحبتِ طالع ترا طالع کند

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اللہ ارزقنی حبك وحب من احبك وحب من یقربنی الی حبك	الٰہی مجھے اپنی محبت عطا فرما اور اس کی محبت عطا فرما جو تجھ سے محبت کرے اور اس کی محبت عطا کر جو مجھے تیری محبت سے قریب کردے۔

تو دیکھواس دعا میں آپ ﷺ نے محبت طلب فرمائی۔ اگر یہ فطرتی ہوتی تو اس کی درخواست کی کیا ضرورت تھی۔ پس ثابت ہوا کہ وجد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک طبعی وجد دوسرے اجد جو بہ تکلف طاری کیا جاتا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صوفیوں کو کلام پاک سننے سے تو وجد نہیں مگر شاعروں کے گیت سن کر وجد طاری ہوتا ہے۔ اگر وجد حق ہوتا تو قرآن حکیم سے بدرجۂ اولیٰ ہوا کرتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو وجد حق ہو چونکہ وہ فرط عقیدت اور صدقِ ارادت سے پیدا ہوتا ہے اس لیے قرآن حکیم سننے سے بھی شعلہ زن ہوتا ہے۔ رہا وہ وجد جس کا باعث غیر اللہ کی محبت ہو تو وہ قرآن سننے سے طاری نہیں ہوتا۔ قرآن سے وجد طاری ہونے پر خود کتاب اللہ شاہد ہے:

آلا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب   اللہ کا ذکر اطمینانِ قلب کا موجب ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

تقشعرّ منهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ ربَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنَ جُلُوْ دهم وقُلُوْ بُهُمْ الیٰ ذِكْرِ اللّٰه	اس سے ان لوگوں کے بدن کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُئُومِنُوْنَ الّذين اذا ذكر اللّٰه وجلت قُلُوْبهم	مومن صرف وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف محسوس کرتے ہیں۔

قرآن حکیم کی اثر انداز فصاحت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

لوْ اَنزلنا هذاالقراٰن علیٰ جبل لرأيته' خاشِعاً متصدعًا من خشية اللّٰه	اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہوا اور پھٹا ہوا دیکھتا۔

ان آیات میں دل کی تڑپ اور خشیت کی طرف جو اشارہ کیا گیا ہے وہ وجد ہی تو ہے، مگر یہ وجد احوال کی قبیل سے ہے مکاشفات کی قبیل سے نہیں۔ مگر کبھی مکاشفات کا سبب بھی بن جاتا

ہے۔اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا:

زینوا القرآن باصواتکم — قرآن حکیم کو اپنی حسین آواز سے مزین کرو۔

اور ابوموسیٰ اشعری کے حق میں فرمایا کہ انھیں آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار عطا فرمایا گیا ہے۔ایسی حکایات بہت ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل دل کو قرآن سننے سے بھی وجد ہوا اور یہ جو نبی ﷺ نے فرمایا:

شیبتنی سورة هود (۸) — مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا۔

تو یہ بھی وجد کی خبر ہے کیونکہ ''شیب'' (بڑھاپا) حزن اور خوف سے حاصل ہوتا ہے اور حزن وخوف وجد میں داخل ہیں۔

ایک اور روایت ہے کہ

ان ابن مسعود رضی الله عنه قرأ علیه سورة النساء فلما انتهی الیٰ قوله تعالیٰ. فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شهيدًا. قال صلعم حسبك وكانت عيناه تذرفان بالدموع (۹)

ابن مسعود نے نبی ﷺ کے سامنے سورہ نساء پڑھی۔جب اس آیت پر پہنچے ''اور اس وقت کیا ہوگا جب ہر امت پر گواہ لائے جائیں گے اور تجھے اس امت پر گواہ لایا جائے گا۔'' تو نبی ﷺ نے فرمایا ''بس کافی ہے'' اور آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ کسی نے آپ ﷺ کے سامنے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ لَدَيْنَا اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا

البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر، گلے میں اٹکنے والا کھانا اور دردناک عذاب۔

پس آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے۔(۱۰)

ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ اس آیت کو پڑھ کر روئے (۱۱)

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ — اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں

آپ ﷺ کا طریقہ تھا کہ آیت رحمت کی تلاوت پر رحمت کی دعا مانگتے اور رحمت کی دعا مانگنا بھی وجد ہے۔قرآن پر وجد کرنے والوں کی تعریف اللہ تعالیٰ نے اس طرح کی ہے:

وَاِذا سمعوامااانزل الی الرّسُوْل تَریٰ اَعْیُنھم تفیض من الدمع مما عَرَفُوْامِنَ الْحَقّ

اور جب وہ آیات سنتے ہیں جو رسولؐ پر نازل ہوتی ہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو ابلتے دیکھتا ہے۔یہ اس لیے کہ انھوں نے حق پہچان لیا۔

روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز پڑھتے اور آپ ﷺ کا سینہ (۱۲) ہانڈی کی طرح جوش مارتا تھا۔صحابہ اور تابعین نے قرآن کریم کی آیات پر وجد کیا ہے اور یہ ذکر بہت سی روایات میں ہے۔بعض نے آیات سنیں اور پچھاڑ کھا کر گرے۔بعض کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔بعض پر غشی طاری ہوئی اور وہ اسی حالت میں مر گئے۔روایت ہے کہ مشہور تابعی زرارہ بن اوفی نے نماز میں جب یہ آیت پڑھی:

فاذَانُقِرَ فِی النَّاقورِفذ الِکَ یَومئذٍ یُوم" عَسِیْر

پس یہ قیامت کا دن سختی اور تنگی کا دن ہوگا

تو بے ہوش ہو کر گر پڑے اور وہیں دم توڑ دیا۔

فاروقِ اعظمؓ نے ایک شخص کو یہ آیت پڑھتے سنا:

اِنَّ عَذابَ رَبِّکَ لَوَاقِع مَال لہ' منْ وافِعْ۔

بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے اور کوئی اسے دفع کرنے والا نہیں۔

تو چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔لوگ مکان پر اٹھا لائے۔آپ مہینہ بھر بیمار رہے۔

ابو جریر تابعی کے سامنے صالح مری نے قرآن کی کوئی آیت پڑھی تو وہ چیخ مار کر گرے اور فوت ہو گئے۔امام شافعی نے کسی کو یہ آیت پڑھتے سنا:

ھذا یَومُ لَایَنْطِقُوْن وَلَایوذن لَھُمْ فیعتذِرُوْنَ

یہ وہ دن ہے کہ وہ بات نہ کریں گے اور نہ انھیں اجازت دی جائے گی کہ عذر پیش کریں۔

تو غش آ گیا۔

علی بن فضیل نے کسی کو یہ آیت پڑھتے سنا۔

یَوْ یقوما الناسُ لِرَبِّ الْعَا لَمِیْن۔ جس روز انسان پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے

تو غش آ گیا اور زبان پر یہ فقرہ تھا ''شکر ہے تجھے وہی ملے گا جو اللہ نے تجھ سے معلوم کر لیا ہے۔''

صوفیاء سے بھی اسی طرح کی حکایات منقول ہیں۔ شبلیؒ رمضان کی شب میں ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ امام نے یہ آیت پڑھی:

ولئن شئنا لنذلننذهبن بِالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ اگر ہم چاہیں تو وہ چیز لے جائیں جو تجھ پر وحی کی گئی ہے۔

تو انھوں نے ایسی چیخ ماری کہ لوگوں نے سمجھا ان کی روح نکل گئی۔ رنگ زرد ہو گیا۔ شانے تھرتھرانے لگے اور ہونٹوں پر یہ فقرہ جاری ہو گیا۔ ''دوستوں کو یونہی خطاب کیا جاتا ہے۔''

جنید بغدادی سری سقطی کے پاس گئے۔ کہتے ہیں ''میں نے وہاں دیکھا کہ ایک شخص بے ہوش پڑا ہے۔ سری سقطی نے فرمایا اسے قرآن کی ایک آیت سے غش آ گیا۔ میں نے کہا اس پر دوبارہ وہی آیت پڑھو۔ جب وہ آیت پڑھی گئی تو ہوش میں آ گیا۔ سری سقطی نے وجہ پوچھی تو میں نے کہا ''یعقوبؑ کی بینائی مخلوق کی محبت میں ختم ہوئی اور مخلوق ہی سے ملی۔ اگر مخلوق سے ختم نہ ہوئی ہوتی، حق کی وجہ سے ختم ہوئی ہوتی تو مخلوق سے نہ ملتی۔'' سری سقطی نے اس جواب کو بہت پسند کیا۔''

شاعر نے بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے

وکاس شربت علی لذة واخری تداویت منهابها

(شراب کا پہلا دور خمار کی وجہ سے تھا اور اسی کے لیے میں نے ساغر پئے اور اب دوسرے دور میں ساغر اس لیے پی رہا ہوں کہ خمار دور ہو۔)

کسی صوفی کا قول ہے۔ میں ایک رات یہ آیت پڑھ رہا تھا:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الموت ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

میں نے اسے بار بار پڑھنا شروع کیا تو غیب سے آواز آئی کہ ''تو کب تک اسے پڑھتا رہے

گا۔کئی ایسے جن مر گئے،جنھوں نے ولادت کے دن سے لے کر آج تک آسمان کی طرف سر نہیں اٹھایا تھا۔"

اسی طرح کی اور بھی بہت سی روایات ہیں۔معترض کہہ سکتا ہے کہ بلاشبہ بعض اوقات تلاوت سے بعض لوگوں کے دل پر وجد طاری ہوا،لیکن آخر سماع کی محفل میں قوال کیوں بلائے جاتے ہیں۔قاری کیوں نہیں آتے؟اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں سب آیات سننے والے کے مناسبِ حال نہیں ہیں اور نہ ہی انھیں کیسے اپنی وارداتِ قلبی کے مطابق ڈھال سکتے ہو۔اگر کوئی آدمی بدقتِ تمام ایسی کوشش کرتا بھی ہے تو ایسا آدمی لاکھوں میں سے ایک ہوگا۔اس کے برعکس اشعار ایسے ہیں کہ انھیں ہر محبوب پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ویسے وجد طاری بھی اسی شخص پر ہوتا ہے جس پر حالت متفرقہ غالب ہو۔دوسرے جسے فطانتِ جید اور ذکاء کامل حاصل ہو۔کچھ اثر کہنے والے کا بھی ہوتا ہے۔ابوالحسن ثوری کسی دعوت میں شریک تھے۔محفل میں علمی تذکرہ ہونے لگا تو سر جھکا کر بیٹھ گئے تھوڑی دیر کے بعد اچانک سر اٹھایا اور یہ اشعار پڑھے:

رب ورقاء هتوف فی الضحیٰ	ذات شجو صدحت فی فتن
ذكرت الفا و دهر اصالحا	فبكت حزنا فهاجت حزنی
فبكائی ربما ارقها	وبكا ها ربما ارقنی
ولقد تشكو فما افهمها	ولقد اشكو فما تفهمنی
غیرانی بالجوی اعرفها	وهی ایضاً ابالجوی تعرفنی

(دوپہر کے وقت اداس فاختہ شاخوں پر بیٹھی کوکو کی فریاد سے اپنا دل فگار کر رہی تھی۔وہ موسم بہار کے بھلے زمانے کو اور اپنی کھوئی محبت کو یاد کر کے روئی اور اس کی فریاد نے مجھے بھی رلا دیا۔اب یہ حال ہے کہ کبھی میں اسے اپنی فریاد سے جگاتا ہوں اور کبھی وہ مجھے اپنے نالوں سے بیدار کرتی ہے۔میں اپنی فریاد اسے سمجھا نہیں سکتا اور اس کے نالہ دردانگیز کے مفہوم سے میں بھی واقف نہیں۔تاہم دل کی جلن ایسی ہے جس نے ہمیں ایک دوسرے سے متعارف کرا دیا۔میں سمجھتا

ہوں کہ اسے بھی عشق ہے اور وہ جانتی ہے کہ میں بھی عاشق ہوں)۔
اس پر تمام لوگ وجد کرنے لگے حالانکہ وہ پہلے بھی یہی باتیں کر رہے تھے، مگر ان باتوں سے ان کی طبیعت وجد پر آمادہ نہ ہوئی۔

قرآن پر وجد نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسے اکثر لوگ روزانہ سنتے اور پڑھتے ہیں حالانکہ اثر اس چیز کا زیادہ ہوتا ہے جسے پہلی مرتبہ سنا جائے۔ ایک ہی چیز کو اگر بار بار سنا جائے تو ہر مرتبہ اس کا اثر ضعیف ہونے لگتا ہے اور تیسری مرتبہ تو گویا رہتا ہی نہیں۔ اسی لیے صدیق اکبرؓ نے جب اعراب کو دیکھا کہ وہ قرآن حکیم پڑھتے ہیں اور روتے ہیں تو فرمایا "ہم بھی کبھی ایسے ہوتے تھے مگر اب ہمارے دل سخت ہو گئے۔" اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ معاذ اللہ صدیق اکبرؓ کا دل اجلاف عرب سے بھی زیادہ سخت تھا بلکہ اس کی وجہ محض یہی تھی کہ قرآن سالہا سال سے وہ پڑھتے اور سنتے تھے۔ اسی لیے مثل مشہور ہے کہ "کُلّ جدِیْد لذِیْذ" (ہر نئی بات لذیذ ہوتی ہے) اسی لیے فاروق اعظمؓ نے قصد کیا تھا کہ لوگوں کو کثرت سے کعبہ کا طواف نہ کرنے دیں اور فرمایا تھا "لوگ اگر اس گھر سے زیادہ ہل مل گئے تو اس کی وقعت ان کے دلوں میں کم ہو جائے گی۔"

جو شخص حج کو جاتا ہے تو کعبہ پر نظر پڑتے ہی رونے چلانے لگتا ہے یا مسرور ہوتا ہے اور بعض لوگوں کو شدت تاثر سے عشق بھی آ جاتا ہے اور اگر وہ مہینہ بھر وہاں ٹھہر جائیں تو ان کی حالت پہلے کی سی نہیں رہتی اور جو لوگ وہاں رہتے ہیں وہ حاجیوں کے تاثرات پر حیران ہوتے ہوں گے، کیونکہ خود ان پر ایسی کیفیات طاری نہیں ہوتیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ کلام کے موزوں ہونے سے اس کا مزہ بدل جاتا ہے اور وہ دل پر جداگانہ اثر کرتا ہے۔ اشعار میں وزن پایا جاتا ہے آیات میں نہیں ہوتا اور وزن تو گویا روح کی سی حیثیت رکھتا ہے کہ اگر قوال کسی شعر میں زحاف کر دے تو سننے والے کی طبیعت منغض ہو جاتی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ شعر کا اثر سُر اور لے سے ہوتا ہے اور گانے میں مقصود کو بڑھا دیا جاتا ہے، ممدود کو گھٹا دیا جاتا ہے۔ کلمات میں وقف کیا جاتا ہے۔ بعض کو منقطع اور بعض کو موصول کیا جاتا

ہے۔ یہ تصرفات شعر میں تو ہو سکتے ہیں مگر قرآن میں جائز نہیں کیونکہ اگر انھیں قرآن میں بھی جائز سمجھا جائے تو معانی پر اثر پڑے گا اور مفہوم مختلف ہو جائے گا اور اگر سادہ طریقہ سے پڑھا جائے گا تو اس میں موسیقی کا اثر پیدا نہ ہوگا۔ موسیقی میں ذاتی حیثیت سے بھی تو ایک اثر ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تاروں کے باجوں، نفیری، شاہین اور دوسرے سازوں میں اثر تو بہر حال موجود ہے، چاہے کوئی زبان سے اس کا انکار کرتا ہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ نغماتِ موزوں کی تائید اس سے بھی ہو جاتی ہے کہ صوتِ بے الفاظ بھی بہر حال انسان پر اثر انداز ہوتی ہے۔ گانے کے ساتھ لکڑی سے گت بجانے اور ڈھولک کے تال سے اثر دوبالا جاتا ہے۔ پس اصل میں گیت کے ساتھ ساز بھی اثر انداز ہوتے ہیں اور قرآن حکیم کو سازوں پر نہیں پڑھ سکتے۔ سازوں کو لوگ کھیل سمجھتے ہیں اور یہ قرآن کی تعظیم کے خلاف ہے کہ اس کے ساتھ کھیل کو ملایا جائے۔ اس کے آداب تو یہ ہیں کہ اسے رستوں پر نہ پڑھا جائے۔ نہ جنابت کی حالت میں پڑھا جائے، نہ بے وضو پڑھا جائے بلکہ ایسی مجلس میں پڑھا جائے جس میں سکون وسکوت ہو۔ پس قرآن ساز کے ساتھ نہیں پڑھا جا سکتا۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ آپ ربیع بنت معوذ کے گھر ان کی شادی کے روز تشریف لے گئے اور ان کے پاس کچھ لونڈیاں گا رہی تھیں۔ ایک کہہ رہی تھی:

وفینا بنی یعلم مافی غد (۱۳)

(ہم میں ایسا نبی ﷺ ہے جسے کل کے معاملات معلوم ہیں)۔

آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے چھوڑ اور پہلے جو کچھ کہتی تھی وہی کہتی رہ''۔ چونکہ راگ کھیل ہے اور شہادتِ نبوت کھیل نہیں اس لیے آپ ﷺ نے راگ کی اجازت دے دی مگر یہ اجازت نہ دی کہ نبوت کی شہادت (۱۴) کو گایا جائے۔ اسی لیے شادی میں قرآن کی تلاوت کے ساتھ دف بجانا درست نہیں حالانکہ نبی ﷺ نے دف بجانے کا باقاعدہ حکم دیا ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا:

"واظھروا النکاح ولو یضرب الغربال" نکاح کو ظاہر کرو چاہے چھلنی بجا کر ہی۔

چھٹی وجہ یہ ہے(۱۵) کہ قوال محفل میں کوئی ایسی نظم نہیں گا سکتا جو محفل کے حال کے مطابق نہ ہو۔اسے خیال ہوتا ہے کہ وہ برمحل نظم گائے۔قرآن اگرچہ تمام کا تمام شفا ہے مگر ہر ایک کے حال کے مطابق نہیں ہو سکتا۔مثلاً رحمت کی آیتیں خائف کے حق میں شفا ہیں اور عذاب کی آیتیں بے خوف آدمی کے لیے شفا ہیں۔اب اگر محفل میں کچھ ایسی آیتیں پڑھی جائیں گی جو کسی کے حال کے موافق نہ ہوں گی تو ممکن ہے اس پر برا اثر پڑے اور اس طرح کہیں وہ کلام الٰہی کو برا جاننے کے خطرہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔

مجھے یہی چھ وجوہات سوجھی ہیں جو بیان کر دی گئی ہیں۔ساتویں وجہ وہ بھی ہو سکتی ہے جسے ابونصر سراج طوسی نے ذکر کیا ہے۔وہ صوفیاء کے قرآن نہ سننے اور راگ پر وجد کرنے کا یہ عذر لکھتے ہیں:

''قرآن اللہ کا کلام ہے اور اور اس کی صفات میں سے ایک صفت یہ ہے چونکہ وہ حق ہے اور غیر مخلوق ہے اس لیے بشریت اس کی تاب نہیں لا سکتی۔اگر قرآن کے معانی کا ایک ذرہ بھی واضح ہو جائے تو بشریت کا شیرازہ منتشر ہو جائے مگر نغمات کو طبیعتوں سے مناسبت ہے اس لیے کہ وہ بھی مخلوق کی صفات میں سے ہیں اور مخلوق ان کی تاب لا سکتی ہے۔''

ابوالحسن دراج کہتے ہیں''میں نے بغداد سے یوسف بن حسین رازی کی زیارت کے لیے سفر کیا۔جب رَے میں پہنچا تو جس سے ان کا حال پوچھا اس نے کہا''زندیق ہے۔تجھے اس سے کیا کام؟''میرا دل بہت تنگ ہوا اور واپس لوٹنے کا ارادہ کر لیا۔پھر سوچا کہ اتنا بڑا سفر کیا ہے اور کچھ نہ ہو تو انھیں دیکھ تو لوں۔پوچھتا پوچھتا ان کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مسجد کی محراب میں بیٹھے ہیں۔حسین آدمی ہیں،مقطع داڑھی ہے،سامنے ایک شخص بیٹھا ہے۔ہاتھ قرآن لیے تلاوت کر رہا ہے۔میں نے سلام کیا تو میری طرف متوجہ ہوئے۔میں نے سلام کیا تو میری طرف متوجہ ہوئے۔میں نے کہا بغداد سے آپ کو ملنے آیا ہوں۔انھوں نے کہا''تم جن شہروں سے ہو کر آئے ہو اگر ان میں کوئی تمھیں کہتا کہ یہیں ٹھہر جاؤ ہم تمھیں مکان اور لونڈی دے دیں گے تو کیا تم ٹھہر جاتے۔''میں نے کہا''اب تک تو اللہ نے اس طرح میرا امتحان نہیں لیا۔اگر اس

طرح امتحان ہوتا تو نہ معلوم میں کیسا ہو جاتا۔ ''پھر بولے ''گا سکتے ہو؟''میں نے اثبات میں جواب دیا تو انھوں نے گانے کی فرمائش کی۔ میں نے یہ اشعار پڑھے:

رأیتك تبنی دائما فی قطیعتی ولوکنت ذاحزمٍ لهدمت ماینتی

کانی بکم واللیت افضل قولکم الا لیتنا کنا اذاللییت لایعتنی

(تو ہمیشہ ہجر کی بنیادیں استوار کرتا ہے۔ اگر تجھے کچھ بھی خیال ہوتا تو ان بنیادوں کو گرا دیتا۔ مجھے تجھ سے کام آ پڑا تو اب تیری گفتار میں اچھا لفظ یہی ''کاش'' رہ گیا ہے۔ کاش! مجھے تیرے ساتھ اس وقت پالا پڑا ہوتا جب تجھے ''کاش'' کی بہانہ جوئی سے سروکار نہ ہوتا۔)

انھوں نے قرآن بند کر دیا اور اتنا روئے کہ داڑھی اور رومال تر ہو گیا حتیٰ کہ مجھے بھی اس حال میں ان پر رحم آ گیا۔ پھر فرمایا کہ لوگ مجھے ملامت کرتے ہیں اور کہتے ہیں یوسف زندیق ہے اور میرا یہ حال ہے کہ صبح کی نماز سے قرآن پڑھتا تھا مگر آنکھیں خشک تھیں اور یہ شعر سنے تو مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی۔''

مطلب یہ ہے کہ دل چاہے جس قدر بھی خدا کی محبت میں غرق ہوں نہ سنے ہوئے شعر ان پر ایسا اثر کرتے ہیں جو قرآن کی تلاوت سے نہیں ہوتا۔ اس کی وجوہات وہی ہیں جو ہم ذکر کر آئے ہیں۔

کہتے ہیں ''ایک شخص ذوالنون مصری کے استاد سرافیل کے پاس آیا اور انھیں دیکھا کہ وہ زمین کرید رہے ہیں اور ایک شعر گا رہے ہیں۔ پھر اس سے پوچھا تجھے کوئی اچھا گیت یاد ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ تو کہا تیرا دل نہیں۔''اس میں یہ اشارہ تھا کہ دل کو اشعار اور نغمات سے فطری محبت ہوتی ہے، اس لیے جسے اشعار یاد نہیں اس کا گویا دل بھی مردہ ہے۔

سماع اور وجد پر بحث ہو چکی۔ اب ہم وجد کے اثرات اور سماع کے آداب بیان کرتے ہیں۔

فصل سوم ....موسیقی کے آداب

سب سے پہلے وقت اور جگہ کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ موسیقی تین

حالات کو ملحوظ رکھ کر سننی چاہیے وقت، جگہ اور یارانِ محفل۔ وقت کی قید سے یہ مراد ہے کہ کھانا موجود ہونے کے وقت، یا جھگڑنے کے وقت یا نماز کے وقت یا کسی اور وقت جس میں کوئی چیز حائل ہو، موسیقی نہیں سننی چاہیے۔ مکان سے یہ مراد ہے کہ رہگزر پر اور بری صورت کا مکان نہ ہو۔ نہ اس میں کوئی ایسی چیز ہو کہ موسیقی کی طرف سے توجہ ہٹ جائے۔ یارانِ محفل سے مراد یہ ہے کہ محفل میں کوئی زاہد خشک اور لطائف قلبی سے بے بہرہ نہ ہو، کیونکہ اس کا وجود محفل کو گراں گزرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی متکبر دنیادار ہوا تو اس کا پاس بھی کرنا پڑے گا یا کوئی دکھاوے کا صوفی جو بناوٹ کا وجد کرے کیونکہ وہ تمام محفل کی پریشانی کا باعث بنے گا۔

۲۔ شیخ کو مریدوں کا حال دیکھ لینا چاہیے۔ کہیں کوئی ایسا شخص نہ ہو جسے سماع الٹا ضرر پہنچائے۔ ایسے اشخاص کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

۳۔ قوال جو کچھ کہے اسے خوب دل لگا کر سنے۔ اِدھر اُدھر توجہ نہ کرے اور دوسرے سننے والوں کو نہ تاکے۔ جس پر وجد کی کیفیت طاری ہو اسے نہ دیکھے بلکہ اس کا دھیان موسیقی کی طرف لگا رہے۔ بناوٹ کی کوئی حرکت نہ کرے۔ ہاں اگر وجد غالب ہو تو پھر مجبوری ہے۔ اس کی حالت قابلِ ملامت نہیں۔

۴۔ جب اپنے نفس کو روک نہ سکتا ہو تو کھڑا نہ ہو لیکن اگر ناچے اور رونی صورت بنائے تو مباح ہے۔ بشرطیکہ ریا مقصود نہ ہو، کیونکہ رونی صورت بنانے سے حزن پیدا ہوتا ہے اور سرور و نشاط کی تحریک کا نتیجہ رقص ہوتا ہے۔ اگر رقص حرام ہوتا تو نبی ﷺ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ حبشیوں کا ناچ نہ دیکھتے۔ چنانچہ بعض روایات میں آپؐ نے وضاحت سے کہہ دیا ہے کہ ناچ رہے تھے۔ سرور کے وقت بعض اکابر صحابہ کا ناچنا بھی مروی ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب امیر حمزہؓ کی بیٹی کی پرورش کا معاملہ درپیش ہوا تو علی مرتضیٰؓ، جعفرؓ اور زیدؓ بن حارثہ کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ "میں اس کی

پرورش کروں۔'' نبی ﷺ نے علیؓ کو فرمایا ''تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔'' اس پر علیؓ اچھلنے کودنے لگے۔ جعفرؓ سے فرمایا ''تو میری سیرت وصورت کے مشابہ ہوگیا۔'' تو وہ بھی اچھلنے کودنے لگے۔ زید سے فرمایا ''تو ہمارا بھائی اور مولا ہے۔'' تو وہ جعفرؓ سے زیادہ اچھلے۔ پھر آپؐ نے فرمایا ''یہ لڑکی جعفرؓ کے پاس رہے گی کیونکہ اس کی خالہ جعفرؓ کی منکوحہ ہے اور خالہ گویا ماں ہی ہے۔'' ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے عائشہ صدیقہؓ سے کہا ''تجھے ناچ پسند ہے۔'' اصل میں رقص اور اچھلنا کودنا خوشی کی وجہ سے ہوتا ہے تو اس کا حکم بھی خوشی پر ہی مترتب ہوگا۔ یعنی اگر خوشی محمود ہو اور ناچ سے اسے ترقی ہوتی ہو تو ناچ بھی محمود ہوگا۔ اگر خوشی مباح ہوگا اور اگر خوشی ناجائز ہوگی تو ناچ بھی ناجائز ہوگا۔ ہاں یہ امر اکابر کے شایانِ شان نہیں کیونکہ ہر چیز بہر حال لہو ولعب ہے اور لہو ولعب سے مقتدا لوگوں کو پرہیز کرنی چاہیے تاکہ لوگوں کی نظروں میں حقیر نہ ہوں اور لوگ ان کی اقتداء نہ ترک کریں۔

رہا کپڑوں کا پھاڑنا تو اس کی بھی اجازت نہیں۔ ہاں اگر انسان کو اختیار نہ رہا ہو تو وہ الگ بات ہے، کیونکہ جو لوگ ضبط نہ کر سکیں تو وہ تڑپنے اور کپڑے پھاڑنے میں اپنے بچاؤ کی صورت دیکھتے ہیں۔ جیسے بیمار مجبوری سے آہ کرتا ہے اور اگر کوئی اسے بزور روکنے کوشش کرے تو وہ صبر نہ کر سکے گا۔ باوجودیکہ فعل اختیاری ہے۔ اسی طرح اگر کسی کو کہا جائے کہ وہ ایک ساعت سانس نہ لے تو وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔ یہی حال چیخنے اور کپڑے پھاڑنے کا ہے۔ ہم اسے حرام نہیں کہہ سکتے۔ سری کے سامنے وجد کا ذکر ہوا تو کہنے لگے'' ہاں وجد غالب ہوتا ہے کہ اگر وجد والے کے منہ پر تلوار لگے تو بھی اسے خبر نہ ہو۔'' لوگوں نے دوبارہ پوچھا اور بہت اصرار سے پوچھا مگر پھر انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

۵۔ پانچویں بات یہ ہے کہ ہر حال میں یارانِ محفل کی موافقت کرنی چاہیے۔ یعنی اگر لوگ کھڑے ہو جائیں تو تمام کو کھڑا ہو جانا چاہیے۔ اگر وہ پگڑیاں اتار دیں تو بھی تمام کو

پگڑیاں اتار دینی چاہئیں۔

بعض لوگ اسے بدعت کہتے ہیں۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ یہ چیز صحابہ کے زمانہ میں موجود نہ تھی اس لیے بدعت ہے، لیکن یہ اعتراض محض غلط ہے، کیونکہ مباح کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ صحابہ سے منقول ہو۔ ممنوع وہ بدعت ہے جو کسی سنت کے مخالف ہو، جس کے کرنے کا شارع علیہ السلام نے حکم دیا اور اس امر میں کسی قسم کی ممانعت منقول نہیں۔ آنے والے کے لیے کھڑا ہونا اہل عرب کا دستور نہ تھا، یہاں تک کہ صحابہ بھی بعض اوقات نبی ﷺ کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے، جیسا کہ انس کی روایت ہے، مگر چونکہ اس میں کوئی نہی عام ثابت نہیں ہوتی، پس جن شہروں میں آنے والے کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونے کا رواج ہے وہاں کھڑا ہو جانا، ناجائز نہیں۔ پس جس موافقت میں دوسروں کا دل خوش ہوتا ہو اسے کرنے میں کیا مضائقہ ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ موافقت شریعت کے برخلاف نہ ہو۔ ہاں مگر اس چیز کا خیال رکھا جائے کہ اگر رقص نہ کر سکتا ہو تو بغیر وجد کے لوگوں کے ساتھ ناچنے کو نہ اٹھے، تاکہ اسے اہل محفل ناپسند نہ کریں۔ کیونکہ اہل محفل اگر صاحب دل ہوتے ہیں تو ان کے دل روشنی کی کسوٹی ہوتے ہیں۔ چنانچہ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ وجد صحیح کی کیا تعریف ہے تو انھوں نے فرمایا ''وجد صحیح یہ ہے کہ اہل وجد اسے تسلیم کریں۔''

اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ چونکہ طبیعتیں رقص سے نفرت کرتی ہیں، اس لیے رقص دین کے مخالف ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی اپنے آپ کو کتنا ہی پاکباز کیوں نہ سمجھتا رہے بہر حال وہ رسول خدا ﷺ سے زہد و تقدس میں زیادہ نہیں ہو سکتا اور نبی ﷺ نے مسجد میں حبشیوں کا ناچ دیکھا اور انکار نہ فرمایا، کیونکہ دن بھی عید کا تھا اور لوگ بھی ناچ سے الفت رکھنے والے تھے۔ رقص کرنے سے طبائع اس لیے متنفر ہوتی ہیں کہ یہ لہو و لعب ہے اور یہ چیز منصب والوں کے شایانِ شان نہیں اور جو چیز منصب کے لائق نہ ہو اسے حرام نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً اگر کوئی سائل کسی سے کچھ مانگے اور وہ اسے ایک روٹی دے دے تو یہ دینا عمدہ طاعت ہے اور اگر کوئی

بادشاہ سے سوال کرے اور وہ اسے ایک روٹی دے دے تو لوگ اسے برا سمجھیں گے اور تاریخوں میں لکھا جائے گا کہ بادشاہ کی برائیوں میں سے ایک برائی یہ بھی تھی اور اس کا یہ فعل اس کی اولاد کے لیے باعث عار سمجھا جائے گا، مگر اس نفرت عامہ کے باوجود یہ نہیں کہہ سکتے کہ بادشاہ کی یہ حرکت حرام تھی۔ نفرت محض اس وجہ سے ہے کہ جو کچھ اس نے عطا کیا وہ اس کی شان کے شایان نہ تھا۔ اسی طرح رقص اور دوسرے مباحات کا حال ہے کہ وہ عوام کے حق میں مباح ہیں اور خواص کے حق میں برائی، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اسے بلحاظ منصب دیکھیں وگرنہ بغیر منصب دیکھے حکم صادر کیا جائے تو یہی کہیں گے کہ بذاتِ خود اس میں کوئی حرمت نہیں۔ واللہ اعلم۔

گزشتہ تفاصیل وتوضیحات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ موسیقی چار قسم کی ہے۔ حرام، مکروہ، مباح ومستحب۔ حرام ان لوگوں کے لیے جن پر شہوت غالب ہو اور موسیقی ان میں حیوانیت کے جذبات ہی مشتعل کرتی ہو۔ مکروہ ان لوگوں کے لیے جو اسے ہر وقت کا شغل بنا لیتے ہیں۔ مباح ان لوگوں کے لیے جن کو موسیقی سے لطف ملتا ہو اور وہ اسے بحیثیت فن سنتے ہوں۔ اس کے علاوہ انھیں موسیقی سے کسی قسم کی تعریف نہ ہوتی ہو۔ مستحب ان لوگوں کے حق میں جن پر اللہ تعالٰی کی محبت غالب ہو اور موسیقی ان میں صفات محمودہ کے سوا اور کسی چیز کو تحریک نہ کرے۔

حواشی

۱۔ اخرجہ الترمذی وابن ماجہ من حدیث ابی ہریرہ

(۲)۔ مصنف مرحوم کا کلامی مذہب ابتداء میں اشعریہ تھا چونکہ اشعریہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالٰی بندوں کو تکلیف مالا یطاق دے سکتا ہے اس لیے مصنف اسی کی تائید میں بول رہے ہیں۔ اصل میں تقدیر کا یہ مفہوم ہی نہیں کہ خدا نے پہلے سے کسی کو جنتی اور کسی کو دوزخی قرار دے رکھا ہے اور ان کی تقدیر ظاہر ہو کے رہے گی۔ تقدیر سے مراد علم الٰہی ہے۔ اللہ کو معلوم تو ہے کہ زید زندگی میں بدکار ہوگا اور جہنمی بنے گا، لیکن یہ علم زید کو بدکار بننے پر مجبور نہیں کرتا۔

(۳)۔ رواہ مسلم

(۴)۔ ترمذی نے بروایت ابی سعید یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت غریب ہے۔

(۵)۔ اخرجہ احمد من ابی ہریرہ۔

(۶)۔ پہلے اس حدیث کا ذکر ہو چکا ہے۔

(۷)۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حیان، حاکم

(۸)۔ اس روایت کو حاکم نے، ابن عباس کے واسطہ سے نقل کیا ہے اور ترمذی نے ابی جحیفہ کے واسطہ سے۔ ترمذی نے کہا کہ یہ روایت حسن ہے اور حاکم نے اسے بخاری کی شرط پر صحیح کہا۔

(۹)۔ متفق علیہ

(۱۰)۔ روایت مرسل ہے۔ ابن عدل نے کامل میں اور بیہقی نے الشعب میں نقل کی ہے۔

(۱۱)۔ مسلم بروایت عبداللہ بن عمر

(۱۲)۔ اخرجہ ابوداؤد والنسائی والترمذی فی شمائل

(۱۳)۔ بخاری شریف

(۱۴)۔ مصنف نے نبی ﷺ کی ممانعت کی جو توجیہ پیش کی ہے وہ صحیح معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ اس طرح تو لازم آتا ہے کہ نبی ﷺ کی تعریف میں یا ان کی نبوت کی شہادت میں کوئی نظم نہ گائی جائے حالانکہ مصنف پہلے یہ واقعہ نقل کر چکے ہیں کہ حسانؓ بن ثابت آپ ﷺ کی تعریف کی نظمیں ہی پڑھا کرتے تھے اور بعد کے صحابی نبی ﷺ کی شان میں لکھی ہوئی نظمیں ہی سماع کیا کرتے تھے۔ آج تک نعتیں قوال گاتے ہیں۔ اصل میں ممانعت کی وجہ یہی تھی کہ گیت میں نبی ﷺ کے متعلق کہا گیا کہ انھیں کل کے حالات معلوم ہیں۔ قرآن میں ہے۔ مَاتَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَاتَکْسِبُ غداً (کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا)

(۱۵)۔ یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ نظر بھی ہر ایک کے حال کے مطابق نہیں ہو سکتی۔

ooo

موسیقی کے متعلق ہمارے معاشرہ میں عجیب غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ بعض لوگ تو اسے شجر ممنوعہ ہی سمجھتے ہیں اور ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو موسیقی کے نام سے عریانی، فحاشی اور بے حیائی کو فروغ دے رہا ہے۔ پہلا طبقہ اپنے آپ کو شریعت کا علمبردار کہتا ہے، اس لیے اس کے نظریات کو خدا اور رسول ﷺ کے احکام سمجھا جاتا ہے اور دوسرا طبقہ اپنے آپ کو آرٹ کا سرپرست کہتا ہے، اس لئے اس کے خیالات کو آرٹ کا ترجمان سمجھا جاتا ہے ان حالات میں ضروری معلوم ہوا کہ موسیقی کی شرعی حیثیت کو واضح کیا جائے تا کہ افراط اور تفریط کے امتیازی خطوط نمایاں ہو جائیں اور لوگ صحیح رائے قائم کر سکیں۔ اس ضرورت کو امام غزالیؒ نے پورا کر دیا تھا، اس لئے ہم نے اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے بجائے حضرت امام غزالیؒ کے مضمون کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۔کلب روڈ لاہور۔

ای میل: iic-lhr@hotmail.com، ٹیلی فون نمبر: 042-36305920